ISSN: 2321-8339

اپریل — جون ۲۰۲۱ء

ادارہ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

موجودہ حالات میں دعوتِ دین کے تقاضے
سید جلال الدین عمری

جدید مستشرقین کے مطالعاتِ تفسیر
پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

علوم اسلامی میں مغرب کا سرقہ
ڈاکٹر محمد اسامہ

انگریزی ادب میں رسول اللہؐ کی تصویر کشی
جناب زریاب احمد فلاحی

تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن کا تقابلی مطالعہ
ڈاکٹر عظمیٰ خاتون

مولانا ابوالکلام آزاد کا تصوّرِ حدیث
جناب مہتاب حسین شاہ

ڈاکٹر محمد رفعت — ایک عزیز کی یاد
سید جلال الدین عمری

تعارف وتبصرہ

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام وجاہلیت	مولانا صدر الدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق اسلام۔ بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔ امامِ انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔ مسایل، تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیامِ امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اپریل ——— جون ۲۰۲۱ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ—۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی **تحقیقات اسلامی** علی گڑھ

جلد: ۴۰ شمارہ: ۲

رمضان ــــــــــ ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ

اپریل ــــــــــ جون ۲۰۲۱ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر اپ لوڈ کر دیے گئے ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

موبائل: 09837476030، 09720357820، 09897746586

ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.co

اکاؤنٹ نمبر: Tehqeeqat-e-Islami, Union Bank of India:

Muslim University, Aligarh

A/. No. 452201010029001, IFSC, UBIN0545228

زرِتعاون

اندرونِ ملک	
فی شمارہ	۵۰روپے
سالانہ	۲۰۰روپے
پانچ سال کے لیے	۸۰۰روپے
سالانہ (لائبریریاں واداارے)	۳۰۰روپے

برائے پاکستان	
سالانہ (انفرادی)	۲۵/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۰/امریکی ڈالر
برائے دیگر ممالک	
سالانہ (انفرادی)	۳۰/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۵/امریکی ڈالر

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ، دہلی۔۶ سے چھپوا کر ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

موجودہ حالات میں دعوتِ دین کے تقاضے — سید جلال الدین عمری — ۵

تحقیق وتنقید

جدید مستشرقین کے مطالعاتِ تفسیر — پروفیسر عبدالرحیم قدوائی — ۹

علومِ اسلامی میں مغرب کا سرقہ — ڈاکٹر محمد اسامہ — ۲۵

انگریزی ادب میں رسول اللہ ﷺ کی تصویر کشی — جناب زریاب احمد فلاحی — ۳۷

بحث ونظر

تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن کا تقابلی مطالعہ — ڈاکٹر عظمیٰ خاتون — ۶۹

مولانا ابو الکلام آزادؒ کا تصور حدیث — جناب مہتاب حسین شاہ — ۹۱

سیر وسوانح

ڈاکٹر محمد رفعتؒ

ایک عزیز کی یاد، جو سب کا عزیز تھا — سید جلال الدین عمری — ۱۰۵

تعارف وتبصرہ

قرآنی معاشیات — مولانا سیف اللہ اصلاحی — ۱۱۵

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۷۹) ادارہ — ۱۱۸

مضامین کا انگریزی خلاصہ — ۱۲۱—۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱— پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

ڈائریکٹر یو جی سی ایچ آر ڈی سینٹر، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

Sulaim_05@yahoo.co.in

۲— ڈاکٹر محمد اسامہ

گیسٹ لیکچرر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

usama9911@gmail.com

۳— جناب زریاب احمد فلاحی

نتھو پٹی، چاند پٹی، اعظم گڑھ

zaryabahmadteacher@gmail.com

۴— ڈاکٹر عظمیٰ خاتون

علوی مینشن، نیو سبزی، اعظم گڑھ روڈ، شاہ گنج، جون پور (اتر پردیش)

uzma.anam15@yahoo.com

۵— جناب مہتاب حسین شاہ

ریسرچ اسکالر، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور (پاکستان)

mehtabshah82@gmail.com

۶— مولانا سیف اللہ اصلاحی

رفیق ادارۂ علوم القرآن، علی گڑھ

stislamhi@gmail.com

۷— سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرف آغاز

موجودہ دور میں دعوتِ دین کے تقاضے

——— سید جلال الدین عمری

[انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی کی جانب سے مؤرخہ ۲۰/ جون ۲۰۲۱ء کو دعوتِ اسلامی کے موضوع پر چودھواں شاہ ولی اللہ ایوارڈ مولانا سید جلال الدین عمری نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و سابق امیر جماعت اسلامی ہند کو تفویض کیا گیا۔ اس موقع پر مولانا نے جو اظہارِ خیال فرمایا اسے سطورِ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔]

الحمدللہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الأمین۔

محترم صدر مجلس اور سامعین کرام!

انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز کی بڑی متنوع خدمات ہیں۔ یہ ایک پلیٹ فارم ہے، جس نے مختلف مکاتبِ فکر کے لوگوں کو جمع کیا اور انھیں اظہارِ خیال کے مواقع فراہم کیے، تاکہ مسائل کو حل کرنے اور انھیں نتیجہ خیز بنانے میں آسانی ہو۔ اس کی خدمات کا ایک اہم پہلو شاہ ولی اللہ ایوارڈ ہے۔ یہ ایوارڈ اصحابِ علم و دانش اور مختلف میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں کو دیا جاتا ہے۔ یہ ایک باوقار ایوارڈ ہے۔ اب کی بار آئی او ایس نے اسلام کی دعوت کو موضوع بنایا اور اس ایوارڈ کے لیے اس عاجز کا انتخاب کیا۔ اس کے لیے میں اس کے چیئرمین ڈاکٹر محمد منظور عالم اور اس کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہوں۔

اس عاجز کو تصنیفی زندگی کے آغاز ہی سے جن موضوعات سے دل چسپی رہی ہے ان میں دعوت کا موضوع بھی ہے۔ اس پر اس کی پانچ کتابیں چھپ چکی ہیں۔ 'معروف ومنکر' میں اس نے دعوت کی مختلف جہات پر خالص علمی انداز سے بحث کی ہے۔

بعض دوسری کتابوں میں بھی حسبِ ضرورت اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے خطابات اور تقریروں میں بھی ملّت کو اس اہم خدمت کی طرف متوجہ کیا ہے۔

دعوت کی اہمیت کے کئی پہلو ہیں۔ اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ یہ ایک اہم دینی فریضہ ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ (آل عمران: ۱۱۰)

یہ امت انسانوں کی ہدایت اور رہ نمائی کے اور ان کو راہِ راست دکھانے کے لیے برپا ہوئی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کا دینی فریضہ ہے۔ جسے بہر حال اسے انجام دینا ہوگا۔ اس میں کوتاہی اور غفلت کا کوئی جواز نہیں ہے۔ قرآن مجید نے وضاحت کی ہے کہ دنیا میں جتنے پیغمبر آئے انھوں نے 'لسانِ قوم' میں خطاب کیا: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلاَّ بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم: ۴)۔ اس کا مقصد یہ بتایا کہ اس سے ان کا مقصد، مدعا اور غرض وغایت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے اور اس کے بعد آدمی اس کو قبول یا رد کرنے میں آزاد رہتا ہے۔ اس پہلو سے اس کی خاص اہمیت ہے۔ لیکن ہماری مجبوری یہ ہے، خاص طور پر اس عاجز کی کہ وہ لسانِ قوم سے واقف نہیں ہے۔ لسانِ قوم سے مراد ہے مخاطب قوم، اس کی زبان، کلچر، تہذیب، اس کے مذہبی رجحانات اور اس کے تاریخی پس منظر سے واقف ہونا ضروری ہے۔ آج کے حالات میں یہ آسان نہیں معلوم ہوتا۔ ہندوستان کا معاملہ یہ ہے کہ یہاں ایک کلچر اور ایک زبان نہیں ہے، مختلف زبانیں ہیں، مختلف کلچر ہیں، مختلف تہذیبیں ہیں اور ہر علاقے کا خاص ذوق اور رجحان ہے، ان کا ادب اور لٹریچر ہے۔ ان کی وضع قطع، لباس اور غذا کا بھی فرق ہے۔ تہواروں اور مذہبی تقریبات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس سلسلے میں میری کتابوں کے ملک کی مختلف زبانوں میں ترجمے موجود ہیں اور وہ پھیل بھی رہے ہیں۔ اس طرح لسانِ قوم سے خطاب کا مقصد کسی نہ کسی طور پر حاصل ہو رہا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس ملک کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہاں ایک بڑی تعداد مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھتی ہے۔ اگر آپ اس کے حریف ہیں تو وہ آپ کو زیر کرنے

کی کوشش کرے گی۔ آپ کی باتوں کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوگی۔ ہمیں اس بات کی کوشش کرنی ہوگی اور سمجھانا ہوگا کہ ہم اس کے حریف نہیں، خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ ہمیں کہنا ہوگا کہ ہمارے پاس ایک پیغام ہے، اس پیغام کو آپ سنیے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہم ملک کے کسی بھی طبقے کے خلاف نہیں ہیں، بلکہ اللہ کا دین آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ جب تک یہ دوری ختم نہیں ہوگی، اس وقت تک مسلمانوں کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ ہم سیاسی طور پر اپنے مطالبات رکھیں گے تو وہ انھیں حریف کے مطالبات سمجھیں گے، مجبور ہوگے تو آپ کے مطالبات کو کسی درجہ میں تسلیم بھی کرلیں گے۔ مسلمان یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم مختلف میدانوں میں آپ سے پیچھے ہیں، لیکن ہمارے پاس آپ تک پہنچانے کے لیے ہمارے اور آپ کے خالق و مالک کا پیغام ہے۔ آپ اس کی طرف توجہ کریں۔ یہ بہت ضروری ہے، ورنہ ہمارے مسائل کبھی اس ملک میں حل نہیں ہو سکتے۔ اب یہ بات کہ ہم دنیا کے سامنے اسے پیش کریں، یا ملک کے سامنے، یا اس کے کسی خاص طبقے کے سامنے، بہر حال یہ سوال باقی رہے گا کہ لوگ اسے قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی اللہ کے دین کو قبول کرے یا نہ کرے، یہ اس کی مرضی ہے، لیکن بہر حال ہمیں یہ کام جاری رکھنا ہوگا۔ مخاطب کو اللہ کے دین کی دعوت دینا اور یہ بتانا کہ ہم نوعِ انسانی کی بھلائی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ہماری ذمہ داری ہے۔ اس کو ماننا یا ماننا ان کے اختیار میں ہے۔ اس کا امکان ہے کہ بعض علاقے اور بعض طبقات آپ کی بات کی طرف توجہ کریں اور بعض آپ کی طرف توجہ نہ کریں، لیکن اس کام سے ہم پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ اس کے بغیر ملک میں مسلمانوں سے جو نفرت اور دوری ہے وہ ختم نہیں ہو سکتی۔ یہ حکمِ خداوندی بھی ہے اور حالات کا تقاضا بھی۔

اسلام نے شروع ہی سے یہ بات بتا دی ہے کہ یہ ایک فکر ہے، اس میں انسانوں کی ہدایت کا سامان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی کو مجبور نہیں کیا ہے۔ اللہ نے انسان کو فکر و نظر کے لحاظ سے آزاد پیدا کیا ہے، اسے آزادی دی ہے اور وہ بہر حال چاہتا ہے کہ یہ آزادی باقی رہے اور یہی انسان کی امتیازی خصوصیت ہے، ورنہ اس کا شمار بھی جمادات، نباتات اور زیادہ سے زیادہ حیوانات میں ہوتا۔

قرآن نے شروع ہی سے یہ بات بتا دی کہ حق اور باطل واضح کر دیا گیا ہے، اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔ سورۂ الدھر نزولِ قرآن کے ابتدائی دور کی سورہ ہے۔ اس میں کہا گیا ہے: **إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِراً وَّإِمَّا كَفُوراً** (الدھر ۳)۔ ''ہم نے انسان پر سیدھا راستہ کھول دیا۔ اس کے بعد وہ یا تو اللہ کا شکر گزار بندہ ہو اور اس کی ہدایات پر عمل کرے یا ناشکری کا رویہ اختیار کرے۔ یہ اس کے اختیار کی چیز ہے۔'' یہ بات قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہے۔ وہ انسان کی آزادی کو بہر حال باقی رکھنا چاہتا ہے اور رکھا ہے۔

ہماری ساری کوشش کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی طبقہ ہماری بات قبول کر رہا ہے یا نہیں کر رہا ہے اور اس کی مخالفت ہو رہی ہے یا نہیں ہو رہی ہے۔ امکانات اس بات کے بھی ہیں کہ بعض علاقوں میں لوگوں کی تائید حاصل ہو اور بعض جگہ مخالفت کا سامنا ہو، لیکن بہر حال ہم پر دعوتِ دین کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کو یہ بات سمجھائی جائے کہ ہم اس کے حریف نہیں ہیں، بلکہ ایک پیغام کے حامل ہیں اور آپ سے اتنی گزارش ہے کہ اسے سنیں اور اس پر غور کریں۔

میرا خیال یہ ہے کہ دعوت کا یہ عمل بہت طویل عمل ہے۔ یہ ملک تقریباً ایک سو چالیس کروڑ کی آبادی پر مشتمل ہے، جو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کئی ہزار کلومیٹر پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں کون لوگ اور کس طبقے کے لوگ اسلام کی طرف توجہ کریں گے، اس کا فیصلہ پہلے سے نہیں کیا جا سکتا۔ ہوسکتا ہے، کہیں اس کا استقبال ہو اور کہیں اس کی مخالفت ہو۔ کسی خاص حلقے کو دیکھ کر اس کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس پر عمل کرنا ہماری ذمہ داری ہے، دنیا اسے قبول کرے یا نہ کرے۔ یہ اس ملک کی خیر خواہی ہے اور دنیا والوں کی خیر خواہی بھی۔

اس موقع پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے یہ اعزاز بخشا۔ اس کے بعد میں ڈاکٹر محمد منظور عالم، چیئرمین آئی او ایس اور انسٹی ٹیوٹ کے کارکنوں کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس ایوارڈ کے لیے اس عاجز کا انتخاب فرمایا۔ جس محبت کا اظہار آپ حضرات کی طرف سے ہوا ہے اس کا اظہار ضروری ہے۔ جزاکم اللہ

جدید مستشرقین کے مطالعاتِ تفسیر

رجحانات اور تعبیرات

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

[اس مضمون سے جدید مستشرقین کے اسلام دشمن رویہ کی وضاحت تو ہوتی ہے، لیکن اس کے جواب میں اسلام کے نمائندوں کو کیا کرنا چاہیے، اس کی مزید وضاحت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جلال الدین]

اسلامیات اور قرآنیات میں تخصص کے باوصف مغربی فضلاء یا مستشرقین کا ذہن اسلام اور قرآن مجید کے بارے میں ہمیشہ متعصّبانہ رہا ہے۔ اس کے پس پشت مختلف عوامل رہے ہیں: ساتویں صدی عیسوی ہی سے مسلمانوں کی گویا پورے عالم پر عسکری فتوحات، جن میں عیسائی اکثریت پر مشتمل ممالک بھی تھے۔ مزید برآں، یورپ میں اسپین، صقلیہ، وسط ایشیا، حتی کہ مشرقی اور وسطی یورپ پر مسلمانوں کا اقتدار، شدید دشمنی کے زیرِ اثر اور اسلام/مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے مقصد سے اہل یورپ/عیسائیوں کی جانب سے کئی صدیوں یعنی ۱۰۹۵ء تا ۱۲۹۱ء صلیبی جنگوں کا سلسلہ، جن میں نظریاتی اور جذباتی طور پر پورا یورپ ملوث تھا۔ اسلام کے خلاف مغرب کے بغض وعناد سے تابوت میں آخری کیل بازنطینی روم اور اس کے قلب قسطنطنیہ پر مسلمانوں کی فتح تھی۔ صدیوں تک یہ علاقہ عیسائیت کا گڑھ رہا تھا۔

اسلام کے بارے میں مستشرقین کے رویے کے ضمن میں اس اہم حقیقت کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ عیسائیت میں کتاب اللہ اور رسالت کا عقیدہ گویا ہے ہی نہیں کہ عیسائی عیسیٰؑ کو خدا اور ان کے اقوال کو کلام الٰہی تصور کرتے ہیں۔ اس باعث بھی وہ اسلام کے

عقیدۂ توحید، رسالت اور کلام اللہ روحِ الٰہی کی تفہیم سے قاصر رہے ۔ یہ عقائد بڑی حد تک ان کے لیے ناقابل فہم رہے اور وہ اسلام کو بطور زندقہ یا عیسائیت کا ایک ناقص چربہ یا (نعوذ باللہ) رسول اکرمؐ کی طالع آزمائی پر محمول کرتے رہے۔ مسلمانوں کی غیر معمولی عالم گیر فتوحات کی تاویل اہل یورپ نے اس طور پر کی کہ اسلام صرف بزورِ شمشیر کام یاب ہوا اور مسلمان مجسّم قتل وغارت گری ہیں۔ غرض یہ کہ اسلام/قرآن مجید/سیرت طیبہ/مسلمانوں کو مسخ کر کے پیش کرنے کی روایت مغرب میں صدیوں سے رائج بلکہ راسخ رہی ہے۔ ہر دور کے مغربی فضلاء یا مستشرقین نے ہمیشہ اسلام کی منفی اور نفرت انگیز تصویر کشی کی ہے۔ یہ محققین خواہ قرونِ وسطیٰ کے کلیسا کے عہدے دار ہوں یا دورِ جدید میں امریکی اور یورپی جامعات میں بظاہر روشن خیال اور معروضی طرزِ فکر کے حامل ہوں، اسلام دشمنی ان کے مابین قدرِ مشترک رہی ہے۔ مستشرقین کے ان فکری اور علمی حملوں اور خیانتوں کا کام یاب تعاقب محض چند مسلم اہلِ علم نے کیا ہے اور ان کی تلبیس کا پردہ فاش کیا ہے۔ لیکن استشراق کی صدیوں قدیم علمی روایت سے مسلمان علماء کی بے خبری، بے اعتنائی اور بے تعلقی بہرکیف ایک سنگین مسئلہ ہے، جس کے مضمرات خاصے خطرناک ہیں۔ قرآن مجید سے اپنے تمام تر فرط تعلق کے باوصف ہم قرآن مجید مخالف منظم مہم کو نظرانداز کرتے آئے ہیں۔ اس کا ایک بڑا سبب علماء کی انگریزی اور یورپی زبانوں سے ناواقفیت ہے۔ ان زبانوں میں بلامبالغہ ہر سال سیکڑوں کتابیں، مقالات اور محاضرات کی روداد وغیرہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ فتنہ پروری کے باوجود ان تحریروں میں بہرکیف طباعی، ندرت اور جودت طبع ہوتی ہے۔ یہ محض سبّ وشتم، جوشیلے، جذباتی تاثرات اور سطحی بیان بازی پر مشتمل نہیں ہوتیں۔ مستشرقین بالعموم عربی زبان وادب، بالخصوص صرف ونحو، تاریخ، اثریات اور اسلام کے بنیادی اور ثانوی مآخذ پر دست رس رکھتے ہیں۔ ان کے دلائل اور نتائج بلاشبہ معاندانہ اور منفی ہوتے ہیں کہ ان کے مطالعے کا مقصود ہی اسلام، قرآن مجید، حدیث، سیرت طیبہ، فقہ غرض یہ کہ اسلام کے ہر ہر مظہر کی شبیہ کو داغ دار اور مسخ کرنا ہوتا ہے، لیکن ان کا پیش کردہ لوازمہ بہرکیف لایقِ مطالعہ، غور

طلب اور مسکت تردید کا طالب ہوتا ہے کہ وہ نصوص اور دیگر اسلامی مآخذ پر ہی مبنی ہوتا ہے۔ البتہ اس مواد سے وہ شر اور کجی کے پہلو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال لیتے ہیں اور اپنے مزعومات، مغالطوں، باطل پرستی اور بدنیتی کے باعث ایسے نکات برآمد کرتے اور ایسے نتائج مستنبط کرتے ہیں جن سے اسلام اور اس کے جملہ متعلقات کی صداقت اور حقانیت مجروح ہو کر رہ جائے۔ ان کی پیش کش کا انداز بظاہر منطقی اور مربوط ہوتا ہے، زبان و بیان پر عبور اس پر مستزاد، نشر و اشاعت کا ایسا منظم سلسلہ کہ لفظاً اور استعارۃً برق رفتاری سے ان کی یہ تصانیف کتب فروشوں اور کتب خانوں کی زینت بن جاتی ہیں۔ سونے پر سہاگہ مغربی علمی روایت میں حوالوں اور اقتباسات کا جال موجود ہوتا ہے۔ قرآن کا بیان ہے کہ شیطان گم راہی کو انتہائی خوش نما شکل میں پیش کرتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت ان کوششوں کی ہے۔

ہم سب کے لیے تشویش کی بات یہ ہے کہ مسلم علماء اور قارئین اس زہر ہلاہل اور اس کے تباہ کن اثرات سے قطعاً لاعلم رہتے ہیں۔ انگریزی اور یورپی زبانوں اور استشراق کی علمی روایت سے ناواقفیت ان کے آڑے آتی ہے۔ البتہ جزئی فروعی مسلکی اختلافات کے بارے میں یہی علماء نہایت باخبر، جواب اور جواب الجواب، تردید اور تنقیص پر ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں۔ کیا عصری علوم سے علما کی یہ بے توجہی عند اللہ مواخذہ کا موجب نہ ہوگی؟ یہ خیال ہی روح فرسا ہے۔ جدید عصری جامعات کے معدودے چند مسلمان طلبہ کو مستشرقین کی ان تصانیف سے سابقہ پڑتا ہے۔ البتہ ان مغربی جامعات میں مستشرقین کے یہ باطل نظریات مسلّمات کے طور پر ایسے معروف ہوتے ہیں کہ یہ طلبہ ان سے اختلاف یا تردید کے لیے ذہنی اور نفسیاتی طور پر تیار نہیں ہوتے، بلکہ احساسِ کم تری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ عبرت ناک پہلو یہ ہے کہ بعض مسلمان طلبہ غیر شعوری طور پر ان مستشرقین کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ اپنے مسلمان نام کے باوجود ان کی آرا اور تحقیقات اپنے مستشرق اساتذہ اور نگرانِ تحقیق کے نظریات کی بڑی حد تک تکرار اور توسیع کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ نوبت کھلے ہوئے ارتداد تک تو نہیں پہنچتی، لیکن عملاً وہ اسی غیر اسلامی فکر کے اسیر بن کر رہ جاتے

ہیں۔اس کی نمائندہ مثالیں کثرت سے ہیں: داؤد رہبر، جو کہ عیسائی ہو گئے، فضل الرحمن، محمد ارکون، فرید اسحاق وغیرہ کا ان ہی میں شمار ہوتا ہے۔ایک متعین مثال یہ پیش ہے کہ ۲۰۱۲ء میں رٹلج، لندن سے چار ضخیم جلدوں پر مشتمل مجموعہ Tafsir:Interpreting the Quran شائع ہوا ہے، اس کے مدیر مصطفی شاہ، استاد اسکول برائے مطالعات مشرق و افریقہ، لندن یونی ورسٹی ہیں۔ یہ مجموعہ ۱۹۶۷ء سے ۲۰۱۲ء تک مغربی جرائد میں تفسیر کے مختلف پہلوؤں پر محیط مستشرقین کے اکیاسی (۸۱) مقالات کا انتخاب ہے۔ یہ تفسیر کی اسلامی روایت اور اس کے ذخیرے کے بارے میں ان مستشرقین کے ذہن بلکہ ذہنیت کو آشکار کرتا ہے۔قدرۃً ان مقالات میں تفسیر کی تاریخ، ارتقاء، ابتدائی تصانیف، متعدد تفاسیر کے منہج، موضوعات، اقسام، امتیازات اور مطبوعات پر محاکمے ملتے ہیں۔اہم تر نکتہ یہ ہے کہ زیادہ تر مقالات گزشتہ انیسویں اور بیسویں صدی کے معروف اسلام دشمن مستشرقین مثلاً اگناز گولڈزیہر (Ignaz Goldziher)، تھیوڈور نولدیکی (Theodore Noldeke)، جان وانسبر ا(John Wansbrough)، جین ڈیمن میک آلف (Jane Dammen Mc Auliffe) اور اینڈریو رپن (Andrew Rippin) کے مغالطہ آمیز بلکہ باطل نظریات کی تکرار، توضیح و توسیع سے عبارت ہیں۔اس مجموعے کا ایک قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ تفسیر پر سب سے زیادہ توجہ اہلِ سنت والجماعت کی رہی ہے۔ امت میں اس کا اعتبار رہا ہے۔ چنانچہ ان کے نمائندہ ممتاز مسلم مفسرین کے بالمقابل زیادہ توجہ بلکہ سرپرستی صوفی، شیعہ، معتزلہ، اسماعیلی حتی کہ بابی/بہائی مذہب کی آئینہ دار تفاسیر پر ہے۔ مثلاً اس مجموعے کے جلد ۳ میں شامل کل اکیس (۲۱) مقالات میں سے پندرہ (۱۵) مقالات مذکورہ بالا گروہی تفاسیر کے لیے مختص ہیں۔مسلم ذخیرۂ تفسیر کے بارے میں ان مستشرقین کی آراء کا لب لباب یہ ہے کہ ان میں سے بعض تفاسیر کے مصنف اور ان کا زمانۂ تحریر مشکوک ہے۔اس سے بھی زیادہ سنگین بہتمت یہ کہ ان مفسرین کے اپنے ذاتی اغراض و مقاصد تھے اور ان کی وفاداری کلام اللہ سے زیادہ اپنے سیاسی اور مادی مفادات سے تھی۔تفسیر کی روایت کو مجروح کرنے کی ایک مثال زود نویس مستشرق

اینڈ ریور پن کا یہ موقف ہے کہ تفسیر ابن عباس کا کوئی وجود ہی نہیں، بلکہ خود ابن عباسؓ کی شخصیت اوران سے منسوب تفسیر اور مروی احادیث اور آراء سب فرضی ہیں، جن کو نویں/دسویں صدی میں وضع کیا گیا۔ (جلد ا،ص ۴۶۵)۔ایک دوسرے مستشرق ہربرٹ برگ (Herbert Berg) نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ابن عباسؓ کی افسانوی شخصیت اور تفسیری کارناموں کو دورِ عباسی میں سرکاری سرپرستی حاصل رہی اوران کو مفسر جلیل کے طور پر نمایاں کیا گیا اور ان سے مبینہ طور پر مروی احادیث میں اضافہ ہوا۔ (جلد ا،ص ۵۰۱)۔ اسی الزام کا اعادہ ہیرلڈ موٹزکی (Harlad Motzki) کے مقالے میں ہوا۔ ان کے بقول ابن عباسؓ سے منسوب تمام احادیث کی اسانید جعلی ہیں، بلکہ ان کا قول فیصل ہے کہ تفسیری احادیث کا پورا ذخیرہ ہی ناقابل اعتبار ہے۔ (جلد ا،ص ۵۱۰)۔زیادہ تر مقالات میں قدر مشترک ممتاز برطانوی مستشرق جان وانسبرا کے اس محیر العقول نام نہاد نظریے کی توصیف اور توثیق ہے کہ اسلام، قرآن مجید، رسول اکرم ﷺ ذخیرۂ احادیث، صحابۂ کرام، غزوات، مکہ میں اسلام کا ظہور، مدینہ کی اسلامی ریاست، تابعین وغیرہ، سب محض افسانے ہیں، ان کا سرے سے کوئی تاریخی وجود ہی نہیں تھا۔تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی میں جب عربوں کو سیاسی اقتدار نصیب ہوا تو نو دولتیوں کی مانند انہوں نے اپنا ایک تاب ناک، شان دار ماضی اختراع کیا اور اسلام/قرآن مجید اور رسول اکرم ﷺ کے وجود کے بارے میں افسانے رقم کیے۔ یہ کسی فاتر العقل شخص کے اختلال ذہنی کے آئینہ دار اقوال نہیں، بلکہ مستشرقین کے ایک معروف مکتب فکر یعنی ترمیم پسند دانش وروں (Revisionist School of Thought) کے مسلمہ عقائد ہیں۔حسرت موہانی کے اس شعر کے عین مصداق ؎

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اس ترمیم پسند مکتب فکر کی ابتداء ۱۹۸۰ء کے عشرے میں ہوئی اور اس کا مقصود ترمیم بلکہ شک وشبہہ کی نیت سے اسلامی تاریخ کا تنقیدی مطالعہ تھا۔ اس مکتبِ فکر کا نقطۂ

آغازیہ عقیدہ ہے کہ اسلام کے بارے میں کوئی بھی مسلم ماخذ قابل اعتنا نہیں، بلکہ یہ مستشرقین اعتبار صرف اثریات، کتبہ شناسی کے علم، خطاطی، علم مسکوکات اور معاصر غیر عربی مآخذ کی شہادتوں پر کرتے ہیں۔ ان کا اصرار ہے کہ اسلام کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے لیے صرف مذکورہ بالا مم آخذ ہی کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور مسلم مآخذ کو درکنار کرنا چاہیے کہ یہ مسلم تصانیف اسلام کے مبینہ ظہور کے ڈیڑھ سو (۱۵۰)، دوسو (۲۰۰) برس بعد ایک مخصوص نظریے کو مسلّط کرنے کی غرض سے تحریر کی گئیں۔ ان کے مصنف اور راوی سب کے سب مشکوک اور غیر معتبر، حتیٰ کہ قرآن مجید اور احادیث بھی غیر مستند ہیں۔ ان کی دانست میں توحید کے اصل اصول پر ایک مذہبی تحریک بپا ہوئی، جس میں یہودی اور مسلمان برابر کے شریک تھے۔ البتہ اموی سلطنت کے دور (۶۶۱۔۷۵۰ء) میں اس تحریک کو صرف مسلمانوں اور عربوں سے منسوب اور محدود کر دیا گیا اور اسی مقصد کے حصول کے لیے اسلام، قرآن مجید، رسول اکرم ﷺ اور احادیث کے افسانے محض تخیل کی بنیاد پر تراشے گئے، ورنہ صحرائے عرب کے مشرکین سے اسلام کا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں توریت اور انجیل سے استفادہ بلکہ ان پر انحصار عام تھا۔ کافر سے مراد عرب مشرکین نہیں بلکہ جادۂ حق سے معمولی طور پر منحرف موحدین ہیں۔ اسلام کے فروغ میں یہودی پیش پیش تھے۔ ان کو صادق مومنین کا درجہ حاصل تھا۔ یہود مخالف آیاتِ قرآنی، احادیث بنو قریظہ اور دیگر یہودی قبائل کا قتل اور جلاوطنی کی فرضی روایات بہت بعد میں داخل کی گئیں۔ مسلمانوں کی جنگوں اور فتوحات کے پس پشت کوئی دینی پہلو نہ تھا بلکہ یہ عام، معمول کے تصادم تھے۔ اموی خلیفہ ملک بن مروان (۶۴۷۔۷۰۵ء) نے اس مذہبی تحریک کو خالص اسلامی رنگ میں رنگ دیا اور اسی کے دور میں لفظ 'اسلام' پہلی دفعہ استعمال ہوا، اور نہ اس مذہبی مہم کے پیرو اپنے آپ کو صرف 'مومن' کہتے تھے۔ پھر عباسی دور (۷۵۰۔۱۲۵۸ء) میں تحریری شکل میں اسلام اختراع کیا گیا، قرآن مجید وضع کیا گیا، محمدؐ رسول اللہ کا تصور تراشا گیا، اصلاً قرآن مجید پر عربی زبان سے زیادہ سریانی زبان کا اثر تھا، جو بعد کی صدیوں میں

حذف کر دیا گیا۔ مذہبی پیشوا اور علماء اور بعد میں وجود میں آئے۔

مذکورہ بالا بیانات پر اگر قارئین کو نئی طلسم ہوشربا کا گمان ہو تو بے جا نہ ہوگا کہ ایسے اظہر من الشمس حقائق کا صریحاً انکار نا قابل یقین ہے۔ بہر کیف امر واقعہ یہ ہے کہ اسی مکتبِ فکر کے علم بردار فضلاء آج کل مغربی جامعات میں شعبۂ اسلامیات کے اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں۔ ان کے زیر اثر نوجوان محققین اور طلبہ اور کیا گل کھلائیں گے۔ اس کے لیے تخیل یا ذہن پر بار ڈالنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس مکتبِ فکر کے نمائندہ فضلاء یہ ہیں: نارمن کالڈر (Norman Calder)، جی۔آر۔ ہاٹنگ (G.R.Hawting)، مائیکل کک (Michacl Cook)، پیٹریشیا کرون (Patricia Crone)، گنٹر للنگ (Gunter Luling)، یہودا ڈی نیو (Yehuda D. Nevo)، اور کرسٹوف لکسٹرن برگ (Christoph Luxenburg)۔ ان فضلاء کی درجنوں کتابیں اور سیکڑوں مقالات اور خطبات اسلام کی ایسی عجیب وغریب تشریح بلکہ بیخ کنی کے لیے وقف ہیں۔

اس جملۂ معترضہ سے قطع نظر اصل مذکور تفسیر پر مستشرقین کے مقالات کا متذکرہ بالا مجموعے کا محاکمہ ہے۔ ان مستشرقین کے شاگرد سعید ترک نژاد محمت عاکف کاک نے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ مقاتل بن سلیمان (م ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) کی وفات کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سال تک ان کی تفسیر پردۂ گم نامی میں رہی۔ ثعلبی نے مقاتل کی تفسیر کے جو اقتباسات درج کیے ہیں ان سے مقاتل کی تفسیر میں درآئی متعدد غلطیوں اور الحاقی اضافوں کا علم ہوتا ہے۔ آج یہ تفسیر اپنی اسی مسخ شدہ شکل میں موجود ہے۔ مزید برآں، یہ تفسیر کرامی مسلک فکر کی ترجمان ہے (جلد ۲، ص ۳۳۔۶۲)۔ ایک اور مستشرق Kees Versteegh نے اپنے مقالے میں ضحّاک کی تفسیر کی مقبولیت کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ اس میں قتال اور جہاد سے متعلق آیات کی تشویق آمیز مفصل تشریح ہے۔ (جلد ۳، ص ۷۵)۔

Ulrika Martensson کے مقالے میں عبرت ناک جہل مرکب ہے، موصوفہ رقم طراز ہیں: ''یہ امر معروف سمجھا جاتا تھا کہ قرآن محمد [ﷺ] کی تصنیف

ہے۔ البتہ جان وانسبر انے اس متفق علیہ نکتہ کی تردید کی اور ایک بالکل نیا موقف پیش کیا کہ قرآن دراصل نویں صدی کے علماء کی ایک اجتماعی تصنیف ہے۔ ان کے اس موقف کو متعدد مغربی فضلاء نے مستحکم تر کر دیا ہے۔'' (جلد ۳، ۸۲۔ ۱۳۲)

ایک اور فاضل مصنف Claude Gilliot کی تحقیق یہ ہے کہ کاتبینِ رسول (ﷺ) بائبل، یہودی اور عیسائی مذہبی روایات، عربی زبان وادب کے علاوہ دیگر زبانوں اور سیاست اور خطابت سے متعلق ارسطاطالیسی نظریات سے بخوبی واقف تھے اور ان کا تبین کا رسول سے مذہبی امور پر تبادلۂ خیال ہوتا رہتا تھا، اس لحاظ سے بھی قرآن ایک مشترکہ تصنیف ہے۔'' (جلد ۳، ص ۸۴۔ ۱۲۲) وانسبر اکے اس نادر تخیل کے مطابق نویں صدی کے وسط تک اسلام کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ نہ قرآن مجید، نہ رسول اکرم ﷺ نہ صحابۂ کرام، نہ ہجرت، نہ غزوات، نہ عبادات اور نہ مدینہ کی اسلامی ریاست۔ یا مظہر العجائب!

سویڈن نژاد اسی فاضلہ Ulrika Martensson کی ایک اور تحقیق انیق پیش ہے: ''سنّی نظریۂ ریاست اور دور جدید کی اسلامی بنیاد پرستی کی رو سے اسلامی ریاست کا خالق اللہ نہیں، بلکہ رسول ہے۔ اسی طرح شارع اور قانون ساز اللہ نہیں، بلکہ رسول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دور جدید کے بنیاد پرستوں، مثلاً حسن البناءؒ (م ۱۹۴۹ء) سید قطبؒ (م ۱۹۶۶ء) اور سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (م ۱۹۷۹ء) نے اسلامی علمی اور فکری میراث کو یکسر مسترد کر دیا۔'' (جلد ۳، ۱۲۳)۔ اس انکشاف پر صرف یہ مصرعہ یاد آتا ہے ؎

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

نارمن کالڈر کی تحقیق بھی کچھ کم فتنہ انگیز نہیں: ''اسلامی بنیاد پرستی کی داغ بیل ڈالنے کے 'مجرم' ابن کثیر اور ابن تیمیہ ہیں۔ ابن کثیر کے ہاں علمی روایت کے احترام کا مطلق کوئی خیال نہیں۔ وہ کثیر المعنی تشریح کے قائل نہیں۔ وہ صرف اپنے ایک صحیح معنی پر مصر رہتے ہیں اور روایتی طرز فکر کو دیگر آرا پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہیں کہ ابن کثیر کی رائے میں خدا کی ادبی صلاحیت ایک اوسط درجے کے انسان کی قابلیت سے بھی پست اور فروتر ہے۔ ابن کثیر کے ہاں تخیل کا کوئی گزر نہیں۔ اسی طرح ابن تیمیہ بھی

اسلام کے نام پر صرف سخت گیر نظریات کے حامل ہیں۔'' (جلد ۳، ص ۱۸۱۔ ۱۸۲)

متنِ قرآن کی صحت کو مشکوک قرار دینا بلکہ اسے مجروح کرنا مستشرقین کا عام وطیرہ ہے۔ اسی ذہن کا عکاس جی، آر، ہاٹنگ کا مقالہ ہے، جو سورۃ النور کے تجزیے پر مشتمل ہے۔ آیت النور کی تشریح مندرجہ ذیل صوفیاء کے اقوال کے حوالے سے کی گئی ہے: ''السلمی (م ۴۱۲ھ/ ۱۱۹۷ء) القشیری (م ۴۶۵ھ/ ۱۷۲۱ء) اور الدیلمی (۵۹۳ھ/ ۱۱۹۷ء)۔ سورۃ النور کی آیات ۳۴ تا ۵۶ کے بارے میں ہاٹنگ کا قول فیصل ہے کہ یہ آیت سورۃ النور کے موضوع سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ ان کے پیش رو مستشرقین نولدیکی اور شوالی کی رائے میں بھی یہ آیات بہت بعد میں مصحف کی ترتیب کے دوران میں اس سورہ میں داخل کی گئیں۔ لیکن یہ سورۃ النور کے سیاق وسباق سے غیر متعلق ہیں۔ ان آیات کی شمولیت مرتبینِ مصحف کے انتشارِ ذہنی کی غماز ہیں۔'' (جلد ۴، ص ۱۷۵)

عیسائیت اور عیسائیوں کے بارے میں قرآن مجید کے ارشادات پر جین میک آلف نے محاکمہ کیا ہے۔ قرآن مجید نے جن شرک آمیز عیسائی عقائد پر گرفت کی ہے، موصوفہ اس کی سخت شاکی ہیں (جلد ۴، ۲۷۱)۔ سورۃ المائدہ آیت ۵۱ میں قرآن مجید نے مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ کو ولی بنانے سے منع کیا ہے۔ یہاں مراد قربِ خصوصی اور حربی راز میں شریک کرنا یا حلیف بنانا ہے اور اس کا اطلاق عام معاشرتی تعلقات، عدل اور حسن سلوک پر نہیں ہوتا۔ لیکن موصوفہ نے معاصر شیعہ ایران نژاد مفسر طباطبائی (۱۹۰۳ء۔ ۱۹۸۲ء) کے حوالے سے اس سے عام، مکمل اور مطلق مقاطعے کے معنی لیے ہیں اور اس پر بڑا واویلا مچایا ہے کہ طباطبائی کی یہ اشتعال انگیز تفسیر ہر مسلم کتب فروش کے ہاں دست یاب ہے (جلد ۴، ص ۲۸۸)۔

قرآن مجید پر مستشرقین کی پانچ (۵) ضخیم جلدوں پر مشتمل بظاہر ایک بہت وقیع قاموسی تصنیف بہ عنوان Encyclopedia of the Quran (۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۶ء) شائع ہوئی ہے۔ اسی نوع کی ایک اور جامع تصنیف نو ہزار (۹۰۰۰) اندراجات پر مشتمل Encyclopedia of Islam (۱۹۱۳ء تا ۱۹۳۶ء) شائع ہوئی تھی اور اب

تک حوالے کی لازمی کتاب تصور کی جاتی ہے۔ تقریباً ستر (۷۰) سال بعد اب قرآن مجید پر مرکوز یہ قاموسی تصنیف منظر عام پر آئی ہے۔ جو یقیناً اگلے پچاس (۵۰) سال تک قرآنیات کے بارے میں مغرب میں حرف آخر کا درجہ رکھے گی۔ اس میں قدرۃً قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر اور اس کے متعلقات کے بارے میں متعدد مقالات ہیں۔ اس مقالے کی تنگ دامانی کے پیش نظر اس قرآن انسائیکلوپیڈیا کے صرف ایک کلیدی مقالے کے مرکزی نکات اور مشاہدات کی تلخیص قارئین کی نذر ہے، تاکہ وہ معاصر مسلم تفسیر سے متعلق مستشرقین کے تازہ ترین رجحانات اور تعبیرات سے آگاہ بلکہ خبردار ہوں۔ زیر تلخیص مقالے کا عنوان ہے: ''جدید اور معاصر مسلم ذخیرۂ تفسیر''۔ مقالہ نگار جرمن نژاد روٹراڈ وایلینڈٹ Rotraud Wielandt پروفیسر اسلامیات بامبرگ یونی ورسٹی جرمنی ہیں۔ حیرت اور عبرت کے باب وا کرنے کے لیے موصوفہ کے بنیادی نکات کی تلخیص پیش ہے:

☆ جدید معاصر مسلم تفاسیر (آخر انیسویں صدی سے بیسویں صدی تک) بہت بڑی حد تک زمخشری (۵۳۸ھ/ ۱۱۴۴ء)، رازی (۶۰۶ھ/ ۱۲۱۰ء) اور ابن کثیر (۷۷۴ھ/ ۱۳۷۳ء) سے ماخوذ، بلکہ ان کی تکرار اور نقل کے علاوہ کچھ نہیں۔ معاصر مسلم تفاسیر ابتکار اور ندرتِ خیال سے عاری ہیں۔

☆ ان میں سے زیادہ تر تفاسیر عالم عرب، بالخصوص مصر کے اہل قلم کی ہیں۔

☆ مسلم معاشرے میں مغربیت کے حالیہ نفوذ کے ردعمل کے طور پر ان تفاسیر میں چند نئے نکات البتہ ضرور نظر آتے ہیں جن کا تعلق معاصر سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی تبدیلیوں اور منظرنامے سے ہے۔

☆ ان مفسرین کو درپیش ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ قرآنی تصوّرِ جہاں اور جدید سائنسی نظریات میں تطابق کا رہا ہے۔

☆ ان مفسرین کا دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ قرآنی اصولوں اور تعلیمات پر استوار ایسا قابل عمل اور مناسب سیاسی اور معاشرتی نظام مسلمانوں کے سامنے پیش کریں جس کی روشنی میں وہ مغربیت زدگی سے نجات حاصل کریں۔

☆ان مفسرین کے سامنے ایک بڑا سوال یہ بھی ہے کہ دور جدید میں جب کہ رائے عامہ صنفی انصاف اور مردوں اور عورتوں کے مساوی حقوق کی حامی ہے، عورتوں سے متعلق احکامِ قرآنی کی کیسے توجیہ اور تاویل کریں جو کہ قارئین کے لیے قابل فہم ہو۔

☆ زیادہ تر معاصر تفاسیر کے مخاطب علما ہیں۔ البتہ چند تفاسیر عام قارئین کے لیے ہیں، مثلاً ابوالاعلی مودودی (م ۱۹۷۹ء) کی تفہیم القرآن جس کے مخاطب ایک خاص تعلیمی لیاقت کے ایسے ہندوستانی مسلمان ہیں جو عربی اور علوم القرآن سے ناواقف ہیں۔

☆البتہ روشن خیالی، عقلیت پسندی اور اصلاح کے نقیب دو ممتاز مفسرین یہ ہیں: ہندوستان نژاد سید احمد خاں (۱۸۱۷ء۔ ۱۸۹۸ء) اور مصر نژاد محمد عبدہ (۱۸۴۹۔ ۱۹۰۵ء)۔ حالاں کہ ان دونوں نے آزادانہ اپنے اپنے طور پر تفاسیر تصنیف کیں، لیکن دونوں کے مشاہدات اور آراء تقریباً یکساں ہیں۔ دونوں کا مقصود یہ ہے کہ ان کے ہم وطن بلکہ پوری مسلم دنیا کے مسلمان پر قوت جدید مغربی تہذیب کی برکات سے مستفید ہوں۔ سرسید کے اصول تفسیر کے مطابق قوانینِ فطرت میثاق الٰہی ہیں، جن کا خدا پابند ہے، لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ وحیٔ الٰہی/قرآن میں قوانین فطرت یا عقل کے مخالف کوئی بیان شامل ہو۔ قرآن کے اسی فہم کے زیر اثر انہوں نے قرآن میں مذکور تمام معجزات اور فوق الفطری امور کا انکار کیا ہے کہ وہ سائنسی تصور سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔

☆محمد عبدہ یورپ کی روشن خیال تحریک سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کی تفسیر میں عقلیت پسندی کا رجحان نمایاں ہے۔ اسی طرح سائنس کے بارے میں ان کا رویہ مثبت ہے۔ ان کی دانست میں سائنس ہی وہ معیار ہے جس کی بنیاد پر الفاظ قرآنی کے معنی متعین کرنا چاہیے۔

☆ایک اور مصر نژاد فاضل محمد ابوزید کی تفسیر **الهداية و العرفان فی تفسير القرآن بالقرآن** (اشاعت ۱۹۳۰ء) پر بھی یورپی روشن خیالی مستولی ہے اور اسی بنا پر اس تفسیر کی اشاعت پر مصر میں تنازعہ برپا ہوا اور بال آخر اسے ضبط کرلیا گیا۔ اس امتناع کے پس پشت جامعہ الازہر کی قوت تھی۔ روایتی اسلامی قوانین کے باب میں ابوزید اجتہاد

کے علم بردار ہیں اور قرآن میں مذکور معجزات اور فوق الفطری امور کے قائل نہیں ہیں۔

☆ سرسید احمد خاں اور محمد عبدہ کی عقلیت پسند تفسیر کا ایک حد تک اثر ہندوستان نژاد ابوالکلام آزاد کی تفسیر 'ترجمان القرآن' (شائع ۱۹۳۰ء) اور الجیریا نژاد مصلح معاشرہ عبدالحمید ابن بادیس کی تفسیر مجالس التذکیر (شائع ۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۹ء) پر نظر آتا ہے۔

☆ بعض معاصر مسلم تفاسیر کو نام نہاد سائنسی تفسیر کے زمرے میں رکھا جاسکتا ہے۔ محمد عبدہ کی تفسیر میں بھی قرآن کی رو سے سائنسی نظریات کے اثبات کی کوشش ملتی ہے۔ مثلاً ان کی دانست میں جن/جنّہ (Jinn) سے مراد جرثومے ہیں۔ سورۃ الفیل میں مذکور ابرہہ کی فوج پر طیور کے ذریعے سنگ باری کے بارے میں انہوں نے یہ تاویل کی ہے کہ درحقیقت جراثیم زدہ مکھیوں کے جھنڈ نے ابرہہ کے سپاہیوں کو ایک وبائی مرض میں مبتلا کر دیا تھا۔ محمد عبدہ کی ان تاویلات کا مقصد قارئین کو یہ یقین دلانا تھا کہ کوئی بھی قرآنی بیان جدید سائنس کے معیار کے لحاظ سے عقل مخالف نہیں ہے۔

سائنسی تفسیر کے علم برداروں کی رائے میں قرآن نے صدیوں قبل جدید سائنس کی ان تحقیقات کو پیش کر دیا تھا جن کا انکشاف اب ہو رہا ہے۔ اس نوع کی اولین کاوش ایک مصر نژاد طبیب محمد بن احمد الاسکندرانی کی تصنیف 'کشف الاسرار النورانیہ القرآنیہ' (۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) ہے البتہ اس طرز فکر کی اصل نمائندہ تفسیر مصر نژاد شیخ طنطاوی جوہری کی 'الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم' (۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) ہے۔ یہ روایتی انداز کی تفسیر نہیں ہے، بلکہ جدید سائنس کو محیط ایک ضخیم تصنیف ہے، گو کہ اس میں روحانیت تک بہ عنوان 'علم تحضیر الارواح' شامل ہے۔ طنطاوی اپنے مسلم قارئین سے اس بات کے طالب ہیں کہ وہ شریعت اور فقہ کے بجائے جدید سائنس کا مطالعہ کریں کہ یہی قوت اور سیاسی آزادی کے حصول کی شاہ کلید ہے۔ اس سائنسی طرز فکر کے مخالف معاصر مفسرین محمد رشید رضا، امین الخولی، محمود شلتوت اور سید قطب ہیں، ان کے بنیادی اعتراضات یہ ہیں: (الف) قرآنی الفاظ اور اصطلاحات کو جدید سائنسی معنیٰ پہنانا لغت کی رو سے صریحاً غلط ہے۔ (ب) اس سائنسی تفسیر میں قرآنی الفاظ و تراکیب اور اسبابِ

نزول کے سیاق وسباق کا مطلق لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ (ج) یہ مفسرین اس بدیہی حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ قرآن اپنے مخاطبین اول یعنی ساتویں عیسوی صدی کے عربوں کے لیے قابلِ فہم تھا اور اس کی زبان اور ذہنی سطح ان مخاطبین سے مناسبت رکھتی تھی۔ اسی دلیل کی بنیاد پر اس سے قبل اندلس نژاد مالکی عالم الشاطبی (م ۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸ء) نے بھی اپنے دور میں سائنسی تفسیر کی مخالفت کی تھی۔

☆مصر نژاد امین الخولی (م ۱۹۶۷ء) نے اپنی تفسیر میں ادبی تنقید کے منہج کو استعمال کیا۔ الخولی مصری جامعات میں عربی زبان وادب کے استاد رہے۔ انہوں نے کوئی باضابطہ تفسیر تصنیف نہیں کی، لیکن ان کے خطبات میں جابجا ادبی تنقید کے منہج کے مطابق قرآنی آیات کی توضیح وتشریح ملتی ہے۔ الخولی کے مشہور ہم عصر طٰہٰ حسین بھی اپنے معروف کتابچے 'فی السیف' میں اس موقف کے پُرزور حامی ہیں کہ قرآن کا مطالعہ بطور ایک ادب پارہ کرنا چاہیے۔ ان کی رائے میں تفسیری کاوش جامعہ الازہر کے صرف شیوخ تک محدود اور مقید نہیں رہنا چاہیے، البتہ انہوں نے اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ بطور ادب پارہ قرآن کی تشریح وتعبیر ان کے ملک مصر میں متنازع اور پُرخطر ہوسکتی ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ جب الخولی کے شاگرد محمد احمد خلف اللہ نے اپنے استاد کے مجوزہ منہج کا اطلاق قرآن پر کیا تو علما الازہر نے اس کی شدید مخالفت کی۔ جامعہ شاہ فواد میں جب خلف اللہ نے ڈاکٹریٹ کی سند کے لیے ان ہی خطوط پر اپنا تحقیقی مقالہ داخل کیا تو اسے اس بنا پر رد کر دیا گیا کہ ان کے پیش کردہ نتائج اسلامی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہیں۔ ازہر کے علما نے خلف اللہ کو 'دکتوراۃ' تک قرار دیا کیوں کہ انہوں نے بعض قرآنی بیانات کا تاریخی بنیاد پر انکار کیا تھا۔ خلف اللہ کو جامعہ میں ان کے عہدے سے بھی برطرف کر دیا گیا تھا۔

☆۱۹۵۰ء کے عشرے میں بعض مفسرین نے یہ نظریہ پیش کیا کہ متنِ قرآن تاریخ میں لاینفک طور پر پیوست ہے، لہٰذا ایک نئے تفسیری منہج کا استعمال ہونا چاہیے۔ اس طرزِ فکر کے بانی پاکستان نژاد محمد داؤد رہبر ہیں۔ ان کی رائے میں اسبابِ نزول اور ناسخ ومنسوخ کے حوالے ہی سے تفہیم قرآن ممکن ہے۔ رسول کے دورِ نبوت میں خود

خدا نے اپنے کلام اور احکام میں تبدیلیاں کیں، لہٰذا مفسرین کو اپنی تشریح میں دور جدید کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔

پاکستان نژاد فضل الرحمن بھی اسی موقف کے حامی ہیں کہ متن قرآن ایک متعین، مخصوص تاریخی صورت حال کے بارے میں دینی، معاشرتی اور اخلاقی ہدایات پر مشتمل ہے، بالخصوص رسول کے معاصر مکی تجارتی معاشرے کے مسائل سے متعلق ہے۔ لہٰذا تفسیر قرآن میں اس تاریخی پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے موجودہ صورت حال پر اس کا اطلاق کرنا چاہیے۔

تفسیر کے ایک نئے منہج کے بانی مصر نژاد فاضل نصر حامد ابوزید ہیں۔ انہوں نے اپنی تصنیف 'مفہوم النص' (۱۹۹۰ء) قاہرہ یونی ورسٹی میں پروفیسر کے عہدے پر تقرر کے لیے پیش کی۔ اس میں الخولی کے اس طرز فکر کا اعادہ ہے کہ قرآن اصلاً ایک ادبی تصنیف ہے اور اسی معیار کے مطابق اس کا تجزیہ کرنا چاہیے۔ البتہ الازہر کے علما نے اس تصنیف اور ان کی ترقی عہدہ کی درخواست کی پُرزور مخالفت کی اور ان پر اسلامی عقائد سے منحرف ہونے کا الزام عائد کیا۔

☆الجزائر نژاد اور فرانس میں عرصے سے مقیم اسلامیات کے فاضل محمد ارکون (م ۲۰۱۰ء) کا تفسیری منہج گو کہ ایک حد تک مختلف ہے، لیکن انہوں نے بھی حامد ابوزید ہی کے پیش کردہ نتائج مستنبط کیے۔ وہ علما کے متعین کردہ معنیٰ قرآنی سے اتفاق نہیں رکھتے۔ ان کی رائے میں مرور زمانہ کے ساتھ متن قرآن کی نئی نئی تشریحات ضروری ہیں۔ وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ مصحفِ عثمانی رسول پر نازل وحی کے ہو بہو مطابق نہیں ہے۔

☆معاصر مفسرین کے ہاں یہ تاثر عام ہے کہ ساتویں صدی میں نازل قرآن کے پیغام اور دور جدید میں حد درجے ثقافتی بُعد ہے۔ البتہ اسلام پسند مفسرین کا اصرار ہے کہ مسلمان قرون اولیٰ کی جانب مراجعت کریں اور اسی تناظر میں فہم قرآن حاصل کریں اور رسول کے دور کے خالص اسلامی معاشرے کی بحالی کے لیے جدوجہد کریں۔ سید قطب کی تفسیر 'فی ظلال القرآن' (شائع ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۵ء) میں نظام اسلامی کا تصور

بہت نمایاں ہے۔ اسی مفہوم کے لیے مودودیؒ نے حاکمیتِ الٰہیہ کی ترکیب استعمال کی ہے۔ سید قطب اور مودودی کی تفاسیر اور اخوان المسلمون فکر کے حامل سعید حویٰ کی تفسیر 'اساس التفسیر' (اشاعت ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء) میں بطور ماخذ حدیثِ نبوی پر بہت زیادہ انحصار ملتا ہے۔ ان تفاسیر میں کلاسیکی مفسرین، مثلاً زمخشری، رازی اور بیضاوی کے حوالے ہیں، البتہ وہ ان مفسرین کے یونانی فلسفے اور اسرائیلیات سے متاثر ہونے کے شاکی ہیں۔ اسلام پسند مفسرین کے ہاں قرون اولیٰ کے معنیٔ قرآن پر اصرار سے بعض مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں، بالخصوص جن معاملات میں متنِ قرآن اور جدید خیالات متصادم ہیں۔ یہ مفسرین ان اختلافی امور کو نظر انداز کرتے ہیں، یا ان کا بالکل سرسری ذکر کرتے ہیں۔

☆ مصر نژاد فلسفی حسن حنفی نے ۱۹۹۳ء میں موضوعی تفسیر کا طریقہ اختیار کیا۔ ان کی رائے میں یہ امر اہم نہیں کہ قرآن وحیٔ الٰہی ہے، بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ایک واضح معاشرتی اور سیاسی نقطۂ نظر سے متنِ قرآن کی انقلابی انداز میں تشریح اور توضیح کی جائے۔ متن سے زیادہ اہمیت شارح کے انقلابی ذہن کی ہے۔

☆ مختصراً معاصر تفاسیر کا منظر نامہ یہ ہے کہ صدیوں سے مستعمل تفسیری منہج بدستور رائج ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ علما اپنی تعبیرات کو متن قرآن کی طرح مقدس اور ناقابلِ تبدیل تصور کرتے ہیں۔ کسی نئے تفسیری منہج یا مختلف طرزِ فکر کو وہ متنِ قرآن اور اپنے اقتدار پر حملہ متصور کرتے ہیں۔ نئی تشریحات علماء کے مفاد میں نہیں ہوتیں۔ ان علماء کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ اپنے ناجائز اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے وہ ان علماء کو اپنا آلۂ کار بناتی ہیں، تاکہ حکومت سے مسلم عوام کی وفاداری برقرار رہے۔ اسلام پسند حلقہ بھی نئی تشریحاتِ قرآنی کو پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر کے میدان میں نئے طریق کار اور غیر مسلموں کے مطالعاتِ قرآن قابلِ قبول نہیں ہیں۔ مفسرین میں سے صرف داؤد رہبر اور امین الخولی اس جمود سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح صرف حامد ابوزید اور فضل الرحمن کے ہاں غیر مسلم فضلائے قرآن سے علمی اور فکری اخذ و استفادہ اور قبول کا رجحان پایا جاتا ہے۔

تلخیص مقالہ: Exegesis of the Quran: Early Modern

Encyclopedia of مشمولہ از روٹراڈ وایلد نیڈٹ and Contemporary the Quran لائیڈن، ہالینڈ، برل، ۲۰۰۲ء، جلد ۲، ص ۱۲۴ ۔ ۱۴۲)

اس مستشرقہ کے مذکورہ بالا مقالے کے یہ بین السطور پیغامات قابل توجہ ہیں: (الف) ایسے مفسرین کی تعریف وتوصیف جو اہل السنت والجماعت کے نقطۂ نظر کے مخالف اورتفردات کے حامل ہیں۔ (ب) جامعہ الازہر کے علماء کی ایسی تصویر کشی جس سے ان کی تنگ نظری، قدامت پرستی اور مخالفِ عقل ہونے کا تاثر شدید ہو۔ (ج) اسلام پسند مفسرین کا استخفاف۔ (د) داوٗد رہبر کے لیے خصوصی کلمات خیر۔ ان موصوف کے بارے میں یہ عبرت ناک اضافہ ضروری ہے کہ ان کی پیدائش پاکستان نژاد ماہر اسلامیات ڈاکٹر محمد اقبال (م ۱۹۴۸ء) پروفیسر پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے ایک روایتی مسلمان علمی خاندان میں ہوئی۔ البتہ داوٗد رہبر نے ۱۹۵۹ء میں عیسائیت اختیار کرلی اور ساری زندگی مغرب میں مشرقی علوم کے استاد کے طور پر بسر کی۔

توقع ہے کہ اس تنقیدی جائزے سے نوجوان مسلم فضلاء کو مستشرقین کے مطالعے کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ ہوگا اور اسلام اور قرآن مجید کے خلاف ان کے اعتراضات اور حکمت عملی سے واقفیت اوران کی مسکت تردید کا جہاد بالقلم فریضہ ادا کرنے کی توفیق اورسعادت حاصل ہوگی۔ ان شاء اللہ

مستشرقین کے مطالعے کے لیے درج ذیل کتب مفید ہیں:

☆A.L.Tibawri, English Speaking Orientalists.

☆M. Mohar Ali The Quran and The Orientalists

☆M. Mustafa Azami, History of the Quranic Text.

☆Norman Daniel, Islam and the West : the Making of an Image.

☆Abdur Raheem Kidwai, Images of the Prophet Muhammad in English Literature.

☆مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن (پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے مضامین) مرتبہ پروفیسر اخترالواسع، دہلی۔ البلاغ پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء

علومِ اسلامی میں مغرب کا علمی سرقہ

(پروفیسر محمد فؤاد سزگین کی تحقیقات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محمد اسامہ

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی مختلف وجوہ سے عالمِ اسلام کے لیے خوش قسمت ثابت ہوئی، کیوں کہ اس دوران مسلمانوں کے ذہنوں سے فکری جمود کا نہ صرف خاتمہ ہوا، بلکہ ان میں زندگی کے آثار بھی پیدا ہونے لگے اور انہوں نے سماجی، سیاسی اور بالخصوص تعلیمی اعتبار سے غور وفکر کرنا شروع کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی دنیا کے افق پر کئی ایسی شخصیتیں نمودار ہوئیں جنہوں نے علم وتحقیق اور تصنیف وتالیف کے میدان میں اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ کرنے کی کوششیں کیں۔ ان میں سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳-۱۹۷۹)، ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹۰۸-۲۰۰۲)، علامہ یوسف القرضاوی (۱۹۲۶) اور پروفیسر ڈاکٹر محمد فؤاد سزگین (۱۹۲۴ء-۲۰۱۸ء) قابلِ ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر کا شمار دورِ جدید کے نام ور محقق، مصنف، اسلامی علوم اور سائنس کے عظیم مؤرخوں میں ہوتا ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں علوم اسلامی میں پروفیسر موصوف کی خدمات کے ساتھ اس سلسلے میں مغرب کے علمی سرقے پر ان کے افکار کا جائزہ لیا جائے گا۔

مختصر سوانح حیات

محمد فؤاد سزگین کی پیدائش ۱۹۲۴ء میں مشرقی ترکی کے شہر بیٹس (Bitlis) کے ایک علمی خانوادے میں ہوئی۔ ان کی ابتدائی تعلیم ارضروم اور دوغوبایزیز میں ہوئی، پھر انہوں نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے استنبول کا قصد کیا۔ یہاں ان کی ملاقات معروف جرمن مستشرق ہیلموٹ رٹر (Hellmut Ritter)[۱۸۹۲-۱۹۷۱]

سے ہوئی، جنہوں نے ان کی زندگی کو ایک نیا رخ دیا اور انہیں تحقیق وتصنیف کی راہ پر لگایا۔ پروفیسر موصوف نے دنیا کے لیے یقیناً ایک گراں قدر علمی سرمایہ چھوڑا ہے جس کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی زیادہ تر تصنیفات جرمن اور ترکی زبان میں ہیں، البتہ بعض کتابوں کا انگریزی، عربی، فارسی اور اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان کی اہم کتابوں میں تاریخ التراث العربی، عیون التراث، محاضرات فی تاریخ العلوم العربیۃ والاسلامیۃ ہیں۔ آخر الذکر کتاب میں انہوں نے علم تاریخ، علم طب، علم کیمیا، علم ریاضیات، علم فلکیات اور آثارِ علویہ (Meteorology) کی تاریخ میں مسلمانوں کی خدمات کے ساتھ تاریخ التراث العربی: تالیف کے مقاصد اور طریق کار، عربوں کے علمِ فلکیات کا یورپ پر اثر، یورپ کی تحریکِ احیاء پر عربی و اسلامی علوم کے اثرات، عربی و اسلامی علوم میں اسناد کی اہمیت، کتاب الاغانی کے مآخذ، قدیم عربی شاعری: حقیقت یا افسانہ؟ اور اسلامی ثقافت میں جمود کے اسباب جیسے اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ دراصل یہ وہ سات (۷) خطبات ہیں جنہیں پروفیسر موصوف نے جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ ریاض کی دعوت پر معہد میں دیے تھے۔ ان کو جامعہ نے ۱۹۷۹ء میں 'محاضرات فی تاریخ العلوم' کے نام سے شائع کیا۔ اس کے بعد معہد تاریخ العلوم العربیۃ والاسلامیۃ، فرینکفرٹ، جرمنی نے ۱۹۸۴ء میں دوسرا ایڈیشن چھ خطبات کے اضافے کے ساتھ 'محاضرات فی تاریخ العلوم العربیۃ والاسلامیۃ' کے نام سے شائع کیا، البتہ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اضافی خطبات کون سے ہیں؟ اور انہوں نے کس پروگرام میں دیے تھے؟ اس کی وجہ یہ رہی کہ راقم کو عربی نسخہ باوجود کوشش کے نہیں مل سکا۔ ڈاکٹر خورشید رضوی، سابق رفیق، ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد نے ان خطبات کو اردو میں منتقل کیا ہے جو پہلے قسط وار سہ ماہی 'فکر ونظر' (جولائی—ستمبر ۱۹۸۶ء تا اپریل—جون ۱۹۹۳ء) میں شائع ہوئے، پھر بعد میں ادارۂ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد کی جانب سے 'تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام' کے عنوان سے کتابی شکل میں ان کی اشاعت ہوئی۔ راقم الحروف کے پیش نظر یہی کتاب (دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۵) ہے۔

یورپ کا علمی سرقہ

ڈاکٹر فؤاد سزگین نے اس کتاب میں موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے سائنسی اور علمی ورثہ کو دنیا سے متعارف کرایا ہے۔انہوں نے اپنی تصانیف میں دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ موجودہ سائنس اور ٹکنالوجی کی بنیاد دراصل مسلمانوں ہی نے رکھی ہے اور اس کی اساس ان کی تحقیقات واختراعات پر قائم ہے، اگرچہ یورپ نے اس کا انکار کیا ہے اور یہ نقطۂ نظر پیش کیا ہے کہ سائنسی علوم میں پہلے یونان اور پھر یورپ غالب رہا ہے، یعنی انہوں نے مسلمانوں بالخصوص عربوں کی خدمات کا سرے سے انکار کیا ہے اور اگر کہیں ذکر یا تسلیم کیا ہے تو سرسری طور پر۔مستشرقین کی اکثریت کا یہی نقطۂ نظر ہے۔

فؤاد سزگین نے مغرب کے پیش کردہ اس نظریہ پر تنقید کی ہے کہ مسلمانوں نے اپنی سادگی اور کم علمی کی وجہ سے اسلامی اور سائنسی علوم میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے، بلکہ انہوں نے صرف یونانیوں سے نقل کیا ہے اور ان کی حیثیت ایک قلی سے زیادہ نہیں ہے۔اس کا مفصل جواب دیتے ہوئے سزگین نے فرمایا ہے کہ اب یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اہل یونان سے قبل ڈھائی ہزار برس کی علمی تاریخ موجود رہی ہے، نیز یونانیوں اور یورپ کے درمیان مسلمانوں کا دور ہے۔امت مسلمہ کی علمی سرگرمیوں کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہی ہو گیا تھا اور ساتویں آٹھویں صدی ہجری تک آتے آتے وہ علمی اور سائنسی دنیا میں ثریا کی بلندیوں پر محوِ پرواز تھی۔اس دوران میں اس نے دیگر قوموں، مثلاً اہل یونان، اہل بابل، اہل ایران اور اہل ہند کے علوم سے ترجمے، اخذ و استفادے، تقلید اور تنقید کے علاوہ خود اپنی تحقیقات و تصنیفات سے دنیا کو غیر معمولی فائدہ پہنچایا، جس کا اعتراف مغرب نے ایک زمانے تک نہیں کیا، یہاں تک کہ اٹھارہویں صدی میں کہیں جا کر بعض مستشرقین نے اس سلسلے میں مثبت رخ اختیار کیا ہے۔ڈاکٹر موصوف نے مغرب کی ایک علمی خیانت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ لاطینیوں اور اسی قبیل کے دیگر افراد نے مسلمانوں کی بہت سی ایجادات کا سہرا مغربی

سائنس دانوں کے سر باندھ دیا، یا ان کی کتابوں اور علمی کاوشوں کو اپنے ناموں سے منسوب کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔ اس حوالے سے وہ ایک جگہ رقم طراز ہیں:

> ''عظیم البرٹس' (Albertus Magnus (before 1200–1280) کے بارے میں اب ہمیں یقینی طور پر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ یونانی زبان سے ناواقف تھا۔ ارسطو کی کتابوں سے اس کی واقفیت محض ابن سینا اور ابن رشد کی شروح کے واسطے سے تھی۔ یہ البرٹس یورپ کی تحریک احیاء کے زمانے میں بہت سے علوم، مثلاً حیوانیات نباتیات، حجریات، آثار علویہ اور کیمیا کا بانی سمجھا جاتا ہے اور یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اس ضمن میں اس کا انحصار یونانی مآخذ پر رہا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے یہ اور ایسے ہی دوسرے خیالات ابن سینا، ابن رشد اور جابر بن حیان کی کتابوں میں پائے جانے والے مواد سے اخذ کیے تھے۔'' (تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام، محمد فؤاد سزگین، مترجم: خورشید رضوی، ادارۂ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۱)

عجیب بات یہ ہے کہ علمی سرقہ اور دوسروں کی ایجادات کو اپنی طرف منسوب کر لینے کا عمل مغرب کے قدیم اور جدید دونوں ادوار میں پایا جاتا ہے اور اس میں مستشرقین کا اہم کردار رہا ہے۔ یہ طبقہ ان متعصب یہودی اور عیسائی محققین پر مشتمل ہے جن کا بنیادی مقصد اسلام اور مسلمانوں کی عظمت نقصان پہنچانا ہے۔ ان لوگوں نے اپنی زندگی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کے لیے وقف کر دی اور مشرق سے جو بھی مفید چیزیں اخذ کی گئی ہیں ان کو علمی دیانت کے برخلاف، ان کے مآخذ و مصادر کو پوشیدہ رکھ کر انہیں مغرب سے منسوب کر دیا۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے لکھا ہے:

> ''یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان بارود، قطب نما، الکحل، عینک اور دیگر بیسیوں اشیاء کے موجد تھے، لیکن بقول رابرٹ بریفالٹ مؤرخین

یورپ نے عربوں کی ہر ایجاد اور انکشاف کا سہرا اس یورپی کے سر باندھ دیا ہے جس نے پہلے پہل اس کا ذکر کیا تھا۔ مثلاً قطب نما کی ایجاد ایک فرضی شخص فلویو گوجہ کی طرف منسوب کر دی۔ 'ولے ناف کے آرنلڈ' کو الکحل اور بیکن کو بارود کا موجد بنا دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعض اوقات عربوں کی تصانیف پر اپنا نام بطور مصنف جڑ دیا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں لفظ جیبر (Geber) کے تحت ایک مترجم کا نام دیا ہوا ہے، جس نے اسلام کے مشہور ماہر کیمیا داں جابر بن حیان کے ایک لاطینی ترجمے کو اپنی تصنیف بنا لیا تھا۔ یہی حرکت سلرنو کالج کے پرنسپل قسطنطین افریقی (۱۰۶۰) نے بھی کی تھی کہ ابن الجزار کی 'زاد المسافر' کا لاطینی ترجمہ 'Viaticum' کے عنوان سے کیا اور اس پر اپنا نام بطور مصنف لکھ دیا۔'' (یورپ پر اسلام کے احسانات، غلام جیلانی برق، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۲۷۔۲۸)

اہل مغرب کے اس طرزِ عمل کے برعکس مسلمانوں کا رویہ یہ رہا کہ انہوں نے بنیادی مآخذ کا ذکر اپنی تحریروں اور تصنیفوں میں پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ کیا ہے، نیز انہوں نے اہلِ یونان سمیت دیگر اقوام کی کسی ایجاد کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا، اس لیے کہ انہیں نہ صرف علمی خیانت پر مواخذہ کا احساس تھا، بلکہ وہ اسے اخلاقی اقدار اور اسلامی تہذیب کے خلاف سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر فؤاد سزگین نے اس کی ایک وجہ یہ بتائی ہے:

''مسلمانوں نے اجنبی اقوام سے علمی اکتساب کا آغاز ان لوگوں کے وسیلے سے کیا جو اسلام قبول کر چکے تھے، چنانچہ ان کے ہاں استفادے میں تعصب کا عنصر شامل نہ تھا۔ اس کے برعکس لاطینیوں نے عربوں کو اپنا حریف اور دشمن سمجھتے ہوئے ان سے استفادہ کیا، جو نفسیاتی الجھنوں کا باعث بنا۔ مسلمانوں کے ہاں وضاحت کا چلن رہا، جب کہ لاطینیوں کے ہاں سرقہ و انتحال نے رواج پایا۔'' (تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام، ص ۱۴)

یہاں ایک قابلِ ذکر اور دل چسپ بات یہ ہے کہ اہل مغرب نے صرف علم و

تحقیق اور ترجمہ نگاری میں ہی مسلمانوں کی تقلید نہیں کی، بلکہ انہوں نے مسلم دنیا سے یونی ورسٹی کے قیام میں بھی مدد لی اور ان کے طرز پر اپنے ہاں یونی ورسٹیاں قائم کیں، اگرچہ اس کا اعتراف کم ہی مؤرخین نے کیا ہے۔ فؤاد سزگین نے لکھا ہے:

> ''ساتویں صدی ہجری/تیرہویں صدی عیسوی کی طرف آئیں تو یورپ میں سب سے اہم علمی مظہر جو سامنے آتا ہے، وہ یونی ورسٹیوں کا قیام ہے۔ یورپ کے جو جو شہر عربی و اسلامی علوم سے اخذ و اکتساب کے مرکز تھے، انہی میں یونی ورسٹیاں قائم ہوئیں۔ مؤرخین نے بارہا ان جامعات کے قیام کی توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے، کیوں کہ یہ جس انداز میں قائم ہوئیں، اس کی کوئی مثال یورپ میں موجود نہ تھی۔ ان کا تصور نہ یونانیوں کے ہاں معروف تھا، نہ یورپ کے قرون وسطیٰ میں موجود تھا اور اسی زمانے میں (اسلامی دنیا) کی صورت حال آج سب کے علم میں ہے۔ یہ یونی ورسٹیاں اپنے اصول و فروع، نیز منصوبوں میں صرف اور صرف اسلامی یونی ورسٹیوں کی تقلید پر قائم تھیں۔ یہ خیال محض ایک گمان نہیں، بلکہ ایک ایسا (علمی) نتیجہ ہے جس تک ایک جرمن ساتھی نے رسائی حاصل کی ہے اور تقریباً دس سال قبل وہ اپنی تحقیق شائع کر چکا ہے۔'' (ایضاً، ص ۱۵۰)

محمد فؤاد سزگین اپنے خطبات (محاضرات فی تاریخ العلوم العربیة و الاسلامیة) میں اسلامی علوم کی تاریخ کے حوالے سے مسلمانوں اور عربوں کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے مغرب کے علمی سرقوں کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا طریقۂ کار یہ رہا ہے کہ انہوں نے پہلے ان موضوعات کے حوالے سے عربوں سے قبل یعنی دیگر اقوام کی علمی تاریخ پر گفتگو کی ہے، پھر مسلمانوں کے اخذ و استفادہ، تحقیق اور حذف و اضافہ کو صدیوں میں تقسیم کرتے ہوئے مفصل بحث کی ہے۔ ان کے مطابق مسلمانوں نے پہلی صدی تا تیسری صدی ہجری تک دیگر اقوام کے علوم کو اخذ کیا، پھر تیسری صدی ہجری کے وسط سے لے کر آٹھویں صدی ہجری کے بعد جمود کے آغاز تک

ان علوم میں نت نئے اضافے کیے اور تنقیدیں کیں۔ پروفیسر موصوف نے اپنی تحقیق کے ذریعے اسلامی علوم کے یورپ میں منتقل ہونے کے تین راستے (بیزنطہ، اندلس، اٹلی) مقرر کیے ہیں، جس کا آغاز تیسری صدی ہجری کے اواخر میں ہوا۔ مزید برآں انہوں نے اس بات کا خصوصی ذکر کیا ہے کہ مغرب نے کس طرح مسلمانوں کی تحقیق وتصنیف سے فائدہ اٹھایا اور انہیں اپنی طرف منسوب کرلیا۔ انھوں نے بعض جگہوں پر ان کے نام بھی پیش کیے ہیں۔ (ایضاً، ص ۱۴۹)

آئندہ سطور میں ان ہی پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو کی جائے گی، ان شاء اللہ۔

تاریخ علوم

محمد فؤاد سزگین نے اس بارے میں تاریخ علوم میں مسلمانوں اور عربوں کے مقام کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں نے آغاز میں تو اس میدان میں یونانیوں سے باقاعدہ اعتراف کے ساتھ اپنی علمی پیاس بجھائی، لیکن پھر وہ اس میں خود کفیل ہو گئے۔ اس کے برعکس یورپ کے احیائی تحریک کے دوران مغربی محققین اور سائنس دانوں نے عربی تصانیف وایجادات کو اپنے نام سے منسوب کرلیا تھا۔ جیسے راجر بیکن (Roger Bacon)[۱۲۱۴-۱۲۹۲] نے جو کچھ بھی نتائج اخذ کیے وہ دراصل ان عربی کتب کا نچوڑ تھے جن کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا گیا تھا۔ رایموندوس لولوس نے علم کیمیا پر جو کتابیں تصنیف کیں ان میں سے اکثر عربی کتب سے ماخوذ ہیں۔ ان کے علاوہ لیون ہارٹ فوکس (Leonhart Fuchs) [۱۵۰۱-۱۵۶۶] اور پاراسیلسوس (Paracelsus)[۱۴۹۳-۱۵۴۱] کے نام بھی اسی فہرست میں شامل ہیں۔

تاریخ طب

مسلمانوں نے دیگر علوم کی طرح علمِ طب کی ترویج وترقی میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے، اگرچہ اہلِ مغرب کی اکثریت نے اس سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہوں

نے صرف اہل یونان کی شاگردی اختیار کی ہے، اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ فؤاد سزگین نے اس کی پرزور تردید کی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جابر بن حیان، ابوبکر رازی، کمال الدین فارسی، ابوالحسن طبری، ابن سینا، ابوالقاسم الزہراوی، عبدالملک بن زہر، لسان الدین ابن الخطیب، احمد بن علی بن خاتمہ، ابن النفیس، علی بن عباس، عبداللطیف البغدادی اور عمار موصلی کی مہارتوں، خدمات اور تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں طب کے میدان میں مغرب کی علمی خیانت کا مختصراً ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''بعض اہم جراحی عمل، جو بعض بڑے جراحوں سے منسوب کیے جاتے ہیں، الزہراوی کی کتاب (التصریف) میں موجود تھے۔ مثال کے طور پر ان میں سے ایک، بڑی نسوں سے خون بہنے کی روک تھام کا عمل ہے، جس میں سولہویں صدی کے فرانسیسی جراح پارے (Ambroise Pare[۱۵۱۰- ۱۵۹۰]) نے شہرت پائی۔ اسی طرح فن تولید (Obstetrics) میں وہ طریقہ جو جرمن طبیب والہر (Walcher, D. 1935) سے منسوب ہے اور 'وضع والہر' (Walcher Position) کہلاتا ہے۔ یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ الزہراوی زخموں کی سلائی کے مختلف طریقوں سے واقف تھا اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو طریقہ ٹرنڈلن برگ (Freiedrich Terndelenburg[م ۱۹۲۴ء]) کی نسبت سے 'ٹرنڈلن برگی' کہلاتا ہے، وہ بھی ابوالقاسم الزہراوی کے ہاں معروف تھا۔ (ایضاً، ص ۵۹)

ڈاکٹر موصوف نے مسلمانوں کی ان بعض کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے جو ایک زمانے تک یورپ میں اہل یونان کی طرف منسوب ہوتی رہیں، جیسے **حنین بن اسحق** کی **کتاب العین**، **اسحق بن عمران** کی **کتاب المالینخولیا**، **ابن الجزار** کی **کتاب الباہ** اور ابن سینا کی **کتاب الأحجار** مغرب میں جالینوس، روفوس، اسکندر طرالیسی (Alexander of Tralles, 525AD-605AD) اور ارسطو کی تصانیف کی حیثیت سے معروف رہیں۔ (ایضاً۔ ص ۶۲)

تاریخ کیمیا

پروفیسر سزگین نے اس عنوان کے تحت علم کیمیا کے آغاز وارتقا، نیز اس میں مسلمانوں کی خدمات پر بحث کی ہے، بالخصوص جابر بن حیان کے دور، اصلیت، حقائق، خدمات اور تصنیفات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں مغربی محققین کی مثبت اور منفی دونوں آراء پیش کی ہیں۔ آخر میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ لاطینی اور انگریزی کی کتابوں میں Geber سے مراد جابر بن حیان ہی ہے، جس سے اہل مغرب نے کثرت سے استفادہ کیا ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ جدید علم کیمیا کے بنیادی اصول جابر بن حیان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مزید براں ڈاکٹر موصوف نے اس میدان کے دو اور ماہرین یعنی ابوبکر رازی اور ابن سینا کی خدمات بھی بیان کی ہیں۔ آخر میں انہوں نے علم کیمیا میں اہل مغرب کے سرقے کا ذکر کیا ہے کہ رازی کی مختلف کتابوں کو رایموندوس لولوس نے اپنی طرف منسوب کرلیا۔ اسی طرح ابن سینا کی کتاب الشفاء میں معدنیات کا حصہ غلط طریقے سے ارسطو کی طرف منسوب کیا جاتا رہا۔ (ایضاً، ص ۸۰)

تاریخ ریاضیات

فؤاد سزگین نے اس باب کا آغاز علم ریاضی کے حوالے سے مسلمانوں کی خدمات پر مغربی مؤرخین کی مثبت اور منفی آراء سے کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے صدیوں کے تعین کے ساتھ علم ریاضی میں مسلمانوں کی دل چسپی اور اس کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے ان کی خدمات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان کے مطابق مسلمانوں نے تیسری صدی ہجری کے وسط تک یونانیوں، سریانیوں، قبطیوں، پہلویوں، ایرانیوں او رہندیوں سے اکتساب واخذ کرتے ہوئے اس فن میں مہارت حاصل کی، پھر اس میں خود کفیل ہو گئے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ابن الہیثم، عمر خیام، بنوموسیٰ، الماہانی، ابوجعفر الخازن، شرف الدین طوسی، غیاث الدین الکاشی، ثابت بن قرۃ، النجندی، ابوالوفاء البوزجانی، ابونصر بن عراق، نصیر الدین طوسی وغیرہ کے کارناموں اور تصنیفات سے دنیا کو

واقف کرایا ہے۔ آخر میں انھوں نے حسبِ سابق مغرب کے علمی سرقہ کو دلائل سے ثابت کیا ہے، جیسے حساب المثلثات المستویہ (Palin Trigonometry) کے ارتقاء کی جس قدر مساواتیں معروف تھیں وہ سب مسلمانوں کے علم میں تھیں، اگرچہ گزشتہ دو صدیوں کے دوران ان کو وایتے (Francois Viete, 1540-1603)، جیرارڈ (Girard, D.1626)، اور کیولیری (Bonaventura Francesco Cavalieri, 1598-1647) جیسے مغربی ریاضی دانوں کی دریافت تصور کیا گیا۔ اسی طرح اس بات پر بھی اختلاف رہا کہ ایک مستقل شعبہ کی حیثیت سے حساب المثلثات کی بنیاد رکھنے والا لیوی بین گرسون (Levi Ben Gershon, 1288-1314) تھا یا ریجیومونتانوس (Regiomontanus), 1(Johannes Muller von Königsberg 436-1476) جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس شہرت کا اصل حق دار نصیر الدین طوسی تھا اور دونوں مغربی ریاضی دانوں نے اسی سے استفادہ کیا تھا۔ کسر اعشاریہ بھی عربوں میں رائج تھا، جب کہ اسے کئی صدیوں تک سائمن سٹیون (Simon Stevin) [۱۵۴۸-۱۶۲۰] کی طرف منسوب کیا جاتا رہا۔ نیز ہندسہ کے معاملات میں پیمائشی پرکار (Divider) کے مستقل استعمال کی پابندی کا اصول عربوں کا ہی وضع کردہ ہے جسے بیسویں صدی کے آغاز تک لیونارڈو داونچی کی طرف منسوب کیا جارہا تھا۔ **(ایضاً، ۸۹۔۹۱)**

تاریخ فلکیات

فؤاد سزگین نے اس باب کے تحت علم فلکیات کے میدان میں مسلمانوں کی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ ان کے مطابق اس فن میں عرب اسلام سے قبل بس واجبی سا علم رکھتے تھے۔ پہلی صدی ہجری کے نصف ثانی تک فلکیات میں موجود ایرانی، یونانی، سریانی اور ہندوستانی کتابوں کی عربی زبان میں منتقلی کے بعد ان میں بیداری آئی۔ انہوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ پہلی صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری تک مسلمانوں نے اس میدان میں دیگر قوموں سے علوم کو اخذ و جذب کیا اور اس

دوران میں وہ اس قابل ہو گئے کہ فلکیات کی بنیادی اور ضروری اصطلاحات کو سمجھ کر استعمال کر سکیں۔ چوتھی صدی ہجری سے انھوں نے اس میں اپنے نت نئے افکار ونظریات اور تجربات پیش کیے، وہ بھی ایسے جو جدید دور کے تجربات سے مطابقت رکھتے ہیں۔اس کے لیے انہوں نے مختلف شہروں میں باقاعدہ رصد گاہیں قائم کیں، جن کی سرپرستی خلیفۂ وقت اپنے دور میں کرتا تھا۔آخر میں انہوں نے بعض مشہور ماہرین فلکیات جیسے الفزاری، یعقوب بن طارق،نصیر الدین طوسی،ثابت بن قرۃ،ابوالعباس،ابوسعید السجزی،حامد بن الخضر ،جعفر بن محمد بن جریر،البیرونی،ابن الہیثم،ابوعبید الجوزجانی،عمر خیام،قطب الدین شیرازی، ابن طفیل،محمد بن یحییٰ بن الصایغ،ابوجعفر البطروجی،الزرقالی،جابر بن افلح ، اور ابن شاطر وغیرہ کی خدمات اور تصانیف کا ذکر کیا ہے۔اس میں زمین،سورج اور سیاروں کی حرکت اور ان کے مدار کی شکل،زمین کی پیمائش، اس کا طریقۂ کار،جنتری اور خط استوا کا طول وعرض وغیرہ جیسے عظیم کارنامے قابل ذکر ہیں۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ پروفیسر موصوف نے اپنے ایک خطبہ میں علم فلکیات میں یورپ کے علمی سرقے کا بھی دلائل کے ساتھ جائزہ لیا ہے، جیسے اسطرلاب پر دسویں صدی عیسوی کی ایک کتاب کا مؤلف انیسویں صدی عیسوی تک گربرٹ(Gerbert) سمجھا جاتا رہا، جب کہ حقیقت میں اس نے عربوں کے افکار سے اخذ و استفادہ کیا تھا، یا وہ عربوں کی کسی کتاب کا ترجمہ ہے۔مائیکل اسکاٹ (Michael Scotus, 1175-1232) نے فلکیات پر نور الدین البطروجی کی ایک کتاب، ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعۃ اور کتاب السماء پر ابن رشد کی شروح کا ترجمہ کیا اور البطروجی کے علاوہ ابن رشد کے افکار سے استفادہ کر کے ایک نئی کتاب مرتب کی، جسے اس نے نکولاؤس دمشقی(Nicolaus of Damascus, 64Bc-04Bc) کی جانب منسوب کر دیا، چنانچہ وہ ایک زمانے تک اسی کی کتاب سمجھی جاتی رہی۔اسی طرح مارسیلز میں ایک نے شخص 'لاطینی جنتری' تیار کی،لیکن وہ الزرقالی کی جنتری کا چربہ

تھی۔خود کوپرنیکس نے الزرقالی کی کتابوں سے بہت کچھ نقل کیا ہے اور عربوں کے افکار کو اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔مشہور لاطینی ماہر فلکیات آلونیس دو انسولیس (Alonis De Insulis, D.1203) نے اپنی کتاب میں جابر بن افلح اور الفرغانی کی کتابوں سے سرقہ کیا ہے۔علم فلکیات میں رابرٹس کے افکار ونظریات دراصل البتّانی اور ثابت بن قرۃ سے اخذ شدہ ہیں، نیز اس کی 'مدوجزر' پر لکھی ہوئی کتاب درحقیقت الکندی کی کتاب کا خلاصہ ہے۔ بصریات کے میدان میں حجرۂ تاریک (Camera Obecure) کو دریافت کرنے اور چاند کے مشاہدے کے سلسلے میں اس کا استعمال، مثلثات کرویہ، عصائے یعقوب (Jacob's Staff) اور کسرِ اعشاریہ کی دریافت کو لیوی بن گرسون کی طرف منسوب ہے، جب کہ وہ دراصل بالترتیب ابن الہیثم ،البوزجانی، ابونصر بن عراق، ابن سینا اور الاقلیدسی کی تحقیقات ہیں۔اسی طرح ریجیومونٹانوس کی تالیف کردہ کتاب 'بطلیموس کی عظیم کتاب کا خلاصہ' دراصل البتانی اور الزرقالی کی کتابوں کی تلخیص ہے۔(ایضاً، ص ۸۵۔۱۲۲)

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ پروفیسر فؤاد سزگین نے اسلام اور مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل، تینوں پہلوؤں کا اپنی تحریروں میں جائزہ لیا ہے۔انہوں نے جہاں ایک طرف اسلامی علوم میں عربوں اور مسلمانوں کے علمی کارناموں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، وہیں دوسری طرف انہوں نے مغرب کے علمی سرقوں کو اس طرح دلائل سے ثابت کیا ہے کہ دنیا اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئی۔حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ انہوں نے یہ کارنامہ تن تنہا انجام دیا ہے، جس کے لیے امت مسلمہ ہمیشہ ان کی احسان مند رہے گی۔

انگریزی ادب میں رسول اللہ ﷺ کی تصویر کشی
ایک تجزیاتی مطالعہ

جناب زریاب احمد فلاحی

انگریزی ادب میں اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ سے متعلق وافر مواد موجود ہے، کیوں کہ مغربی دنیا کے تقریباً ہر خطے، ہر دور اور ہر شعبۂ حیات میں ان کو موضوع بحث بنایا گیا ہے، لیکن بدقسمتی سے اکثر یہ مواد منفی رہا ہے اور جہالت یا تعصب یا دونوں عوامل کا مظہر ہے۔ مغرب کی اسلام دشمنی اور محمد عربی ﷺ کے خلاف ہفوات، یاوہ گوئی، ہرزہ سرائی، دشنام طرازی و کذب بیانی کی طویل داستان ہے۔ لبنانی عیسائی پروفیسر Naji B Oueijan اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> ''یہ انگریزی ادب کی بدقسمتی ہے کہ اس کے ہر دور میں اسلام کو بالعموم کبھی مبہم انداز میں تو کبھی صراحتاً دور جدید کی اعلیٰ اقدار مثلاً جمہوریت، حریت و آزادی اور حلم و بردباری کے دشمن کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے۔''

اسی لیے اسلام اور سیرت سرور عالم ﷺ کے سلسلے میں مغربی آداب و فنون کا مطالعہ قاری کو اظہار افسوس کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ بنی نوع انسان کا ایک بڑا طبقہ مکمل بارہ صدیوں تک اسلام جیسی عالم گیر تحریک کو لائق اعتنا گردانے سے آخر کیسے قاصر رہا؟ یا پھر اس کے لیے وہ کبھی آمادہ کیوں نہیں ہوا؟

اس موضوع پر انگریزی اور عربی زبان میں معتد بہ تصنیفات سپرد قلم کی گئی ہیں اور مسلسل ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں Byron Porter Smith کی کتاب 'Islam in English Literature' (1937) اور عدنان محمد عبدالعزیز وزّان کی عربی کتاب 'صورة الاسلام فی الأدب الانجلیزی' خصوصیت

سے قابلِ ذکر ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک اہم پیش کش Images of the Prophet Muhammad in English Literature, New York, 2018 ہے، جو پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کی تصنیف ہے۔ موصوف انگریزی اور اردو کے صاحب طرز ادیب، تجزیہ نگار، محقق اور ماہر استشراق ہیں۔ تاہم ان کی علمی کاوشوں میں قرآن مجید کو اولیت و مرکزیت حاصل ہے۔ اس میدان میں ان کے علمی کارناموں میں انگریزی تراجم قرآن کا تنقیدی مطالعہ سرفہرست ہے۔ ان کا دوسرا اہم موضوع انگریزی ادب میں ادبی استشراق کی روایت یا اسلام اور مسلمانوں کی تصویر کشی ہے۔ اس موضوع پر بھی ان کا خاصا کام ہے۔ مذکورہ کتاب کے ذریعہ انھوں نے مسلم و مغربی دنیاؤں کے مابین افہام وتفہیم کی سعی محمود کی ہے۔ اس میں بارہویں صدی سے لے کر ۱۹۰۰ء تک کے انگریزی ادب میں رسول اکرم ﷺ کی تصویر کشی کا بیان اور تجزیہ ہے، جس سے انگریزی کی ادبی تاریخ، تہذیبی مطالعات اور ادبی استشراق کے طلبہ کے لیے خاصا دل چسپی کا سامان فراہم ہوگا۔

اس کتاب کا مقصدِ تالیف انگریزی ادب میں سیرت پاک ﷺ سے متعلق رائج غلط فہمیوں کی نشان دہی کر کے ان کی تصحیح کرنا ہے، تاکہ اختلافات کی عمیق کھائی کو پاٹا جاسکے اور بہتر تہذیبی افہام وتفہیم کا راستہ ہموار ہوسکے۔ اس کا دوسرا مقصد نوخیز مسلم فضلاء کو ادبی استشراق کے مطالعہ کے لیے آمادہ کرنا ہے۔ ایک سو باون (۱۵۲) صفحات پر مشتمل یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں مصادر و مآخذ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں انگریزی ادب کی تاریخی ترتیب کو ملحوظ رکھ کر عہد بہ عہد آپؐ کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں آپؐ کی حالیہ دور میں بہتر نمائندگی کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

پہلے باب میں ساتویں صدی سے اوائل انیسویں صدی تک کے مغربی ادبیات میں پیغمبر اسلام ﷺ کی تصویر کشی کا مختصر بیان ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ انتہائی تکلیف دہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ مغرب میں صدیوں تک رسول اللہ ﷺ کو کافر، ملحد اور عفریت کے روپ میں پیش کیا گیا۔ آپؐ کو مختلف گالیوں اور برے القاب مثلاً، دجال، بانیٔ بدعت، جھوٹا خدا/ دیوتا، شیطان، باغی عیسائی، جنسی بے راہ رو، شہوت پرست،

جادوگر، کاہن جیسے الفاظ سے نوازا جاتا تھا۔ عیسائی مناظرہ بازی، صلیبی پروپیگنڈہ اور بعد ازاں ترکوں کی بڑھتی عسکری طاقت نے بھی آپؐ کی جھوٹی تصویر کشی میں اضافہ کیا۔ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اکثر تخلیقات میں آپؐ کی تصویر کشی میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے، فحش افواہیں ایجاد کی گئی ہیں، بہتان آمیز داستانوں اور غلط بیانیوں کا طومار باندھا گیا ہے۔ شدت طیش میں آ کر بعض ادباء تو آپؐ کے لیے دلِ مسلم کو پاش پاش کر ڈالنے والی بہیمانہ پیکر تراشی اور من گھڑت وحقارت آمیز تصویر کشی پر بھی اتر آئے۔

اس باب کی ابتدا حضرت محمد ﷺ کے ہم عصر بشپ Isiodre (560-636) سے ہوتی ہے۔ اسلام سے متعلق اس کے بیانات، Mathew Dimmock کے مطابق، اس پہلو کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اس نے اسلام کو ایک آزادانہ تشخص کے طور پر تسلیم ہی نہیں کیا۔ یوحنا دمشقی (۶۷۵ء۔۷۴۹ء) اسلام کو عیسائیت کی ایک مسخ شدہ شکل تصور کرتا تھا۔ اس کا ماننا تھا کہ یہ ان بت پرستوں کا مذہب ہے جن کے درمیان ایک جھوٹے نبی Mamed کا ظہور ہوا۔ اس نے اپنی کتاب Fount of Knowledge میں کلیسا کو درپیش ایک سو بدعات کا ذکر کیا ہے، جس میں آخری بدعت اسلام ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ Mamed نے ایک Arian راہب (بحیرا) کی مدد سے عیسائی مصادر کا استعمال کر کے قرآن کی تالیف کی اور دعوی کر ڈالا کہ خدائے کریم نے اسے قرآن کی صورت میں معجزہ نما وحی سے سرفراز فرمایا ہے۔

پروفیسر قدوائی کے مطابق مغربی ادب میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی نمائندگی کے مطالعہ کے لیے Chanson de Gest اور The Song of Roland کو نقطۂ آغاز اور قدیم ترین مأخذ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اول الذکر بارہویں صدی میں قدیم فرنچ، Picard, Francien اور اینگلو سیکسن زبانوں کے زبانی گیتوں کا سلسلہ ہے، جو عامۃ الناس کی تفریح طبع اور صلیبیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ضبط تحریر میں لائے گئے تھے۔ ان سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق عوامی نظریہ کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان گیتوں میں اکثر آپؐ کے اسم مبارک کی محرّف شکلوں کا

استعمال کیا گیا ہے، مثلاً Mahoun, Mahound, Mahom, Mahomes وغیرہ۔ اکثر گیت بنیادی طور پر تبدیلیٔ مذہب سے متعلق ہیں اور عیسائیت کو بطور مسیحا و نجات دہندہ کے پیش کرتے ہیں۔ ان میں Mahon کو خدا نہیں بلکہ جھوٹا نبی، خدا کا باغی، عیسائی قائد، بطریق، جاہ طلب اور حضرت عیسیٰؑ کا نبی وغیرہ گردانا گیا ہے۔ ان میں مسجد کے لیے 'Mahumery' کی اصطلاح وضع کی گئی ہے، جس میں بت کی مستقل عبادت کی جاسکتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ Venus کے معبد کو بھی، جس میں علی الاعلان بت رکھے ہوتے تھے، مسجد کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا تھا۔ 'رالینڈ کا گیت' ۱۱۰۰ء سے کچھ پہلے لکھی گئی رزمیہ نظم ہے۔ اس میں Mohammed کو ایک بت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس کی مسلمان عبادت کرتے ہیں۔ دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مسلمان ملحد اس سے استعانت طلب کرتے ہیں اور اس کے نام کی دہائی دیتے ہیں۔ اس میں سب سے بھیانک افتراء پردازی یہ کی گئی ہے کہ آپؐ کے اسم مبارک کو Apollo اور Tervagant جیسے قدیم ملحدانہ مذہب سے جوڑ دیا گیا ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام میں بھی ایک طرح کا عقیدۂ تثلیث موجود ہے اور اسلام ملحدانہ مذہب ہے، کیوں کہ اس میں صراحت کی گئی ہے کہ ملحد غلط ہیں اور عیسائی برحق ہیں۔ اس طرح ہر وہ چیز جسے عیسائی اخلاق سوز، بُرا اور قابل نفرت سمجھتے تھے، اسے مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کا جزء لاینفک باور کرایا جاتا تھا۔ ازمنۂ وسطیٰ کے ان شعراء کا تصور اسلام اہل کلیسا سے مستفاد تھا جو خود بزنطینی قلم کاروں سے کسب فیض کرتے تھے۔

ازمنۂ وسطیٰ کی داستانوں میں پیغمبر اسلام ﷺ کو بحیثیت ایک بت کے پیش کیا جاتا تھا۔ صلیبی جنگوں پر مبنی فرانسیسی نظموں کے انگریزی تراجم نے آپؐ کے بت ہونے کے لغو غلط تصور کو پہلی بار انگلستان میں متعارف کرایا۔ Hildebert de Tourse (1056-1133) کی لاطینی نظم Historia de Mahomete میں یہ ذکر ہے کہ Mahomete نے یہ پیشن گوئی کی تھی کہ اپنی وفات کے تین روز بعد وہ دوبارہ جی اٹھیں گے۔ اس میں Mahomete کے تابوت کے مقناطیس کے سہارے فضا

میں معلق ہونے کا بھی بیان ملتا ہے۔ Walter (بارہویں صدی کا راہب) کی نظم De Machomete میں بھی خوب یاوہ گوئی کی گئی ہے۔

ان ساری ہفوات کا خلاصہ یہ ہے کہ ازمنۂ وسطیٰ کے فرانسیسی شعراء مسلمانوں اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ملحدانہ وخبثیانہ پیکر تراشی کے ضمن میں دراصل اطالوی شعراء کے نقش قدم کی اتباع کر رہے تھے۔

Matthew Dimmock کے مطابق درمیانی انگریزی ادب کی مذہبی تمثیلوں میں بھی Mahomet کو اشرار/بدمعاش کے خدا کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان تمثیلوں میں محمد ﷺ کی ولادت سے کئی صدیوں قبل وفات پا چکے Herod کو Mahoun کا پرستار دکھایا گیا ہے۔

Samuel.C.Chew کے مطابق Digby تمثیلی ڈراموں میں سے ایک Mary Magdalene میں Mahound دیوتا کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح The Sowdone of Babylon نامی داستان میں سلطان Laban پہلے تو Mahounde سے استعانت طلب کرتا ہے، مگر رومیوں کے مقابلے میں ہار جانے پر Mahounde کے طلائی بت کو زمین پر دے مارتا ہے۔ غصے میں آ کر Mahounde کو برا بھلا کہتا ہے اور ایک ڈنڈے سے بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی الوہیت کا یہ انتہائی شرمناک تصور عہد ایلزبیتھ کے ڈراموں Alphonsus, a Christian Turn'd Turke اور The Turke وغیرہ میں بھی دوبارہ اپنا مکروہ چہرہ دکھاتا ہے۔

اس دور کے اطالوی ادب میں بالعموم اور دو شعراء Petrarch (1304-74) اور Dante (1265-1321) نے بالخصوص روش عام ہی کی پیروی کی ہے اور دیگر ہم عصر ادباء وشعراء کی ہی تقلید کی ہے۔ عبدالستار ملل اللہ کا کہنا ہے:

''Petrarch نے اپنی تحریروں میں پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق بڑا ہی تلخ اور سخت رویہ اپنایا ہے۔ وہ محمد ﷺ کو ''ضرر رساں ضعیف الاعتقادی کا مؤسس'' اور'' جملہ اقسام کی

فحش خواہش نفس کا محرک'' ٹھہراتا ہے۔ اس نے ایہام گوئی سے بھی کام لیا ہے۔ وہ Mecca کے بجائے لاطینی لفظ Mechus کا استعمال کرتا ہے، جس کے معنیٰ ہیں 'بدکاری'۔ اس طرح وہ آپؐ کو بدکار وعیاش اور اسلام کے مقدس ترین مقام کو شہر بدکاری بنا ڈالتا ہے۔'' اس نے (۱۲۶۵۔۱۳۲۱) کی Divine Comedy (Inferno XXVIII, 63) میں اختلاف کا بیج بونے والے اور عیسائی کافر کی حیثیت سے پیغمبر اسلام ﷺ کی تصویر کشی نمایاں ہے۔ اس نے دانتے نے Mahomet کا ذکر اٹھائیسویں باب میں کیا ہے۔ جہنم کے نو حلقوں میں سے Mahomet کو آٹھویں میں رکھا ہے۔

Pedro Alfonso اور Peter نے بھی آپؐ کے مرتبۂ رسالت کی تردید وانکار کے جذبے کے تحت ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ سچے پیغمبروں کی چار نمایاں خصوصیات: صداقت، مکارم اخلاق، معجزات اور شریعت مطہرہ میں سے آپ کسی سے بھی متصف نہ تھے۔

Humbert of Romans نے پیغمبر اسلام کے خلاف معجزات کا فقدان، غیر معقول شریعت، فسق وفجور، اوباشی اور فریب جیسے الزامات کی طویل فہرست درج کی ہے۔ ان مناظرہ باز مصنفین کی دوسری غلط بیانی یہ تھی کہ پیغمبر اسلام کے اندر تخلیق معجزہ کی طاقت کا فقدان تھا۔ وہ صاحب معجزات نہیں ہیں۔ آپؐ کی بشریت کو بھی غلط بیانی کے ذریعہ جھوٹے دعویٰ نبوت کی ایک اور دلیل کے طور پر پیش کیا گیا۔ غزوۂ احد کے زخموں کا حوالہ دیا گیا اور استدلال کیا گیا کہ آپؐ کو ملائکہ کی معیت، تحفظ اور حمایت حاصل نہ تھی، ورنہ پیغمبر وقت دشمنوں کے ہاتھوں مجروح نہ ہوتے۔

پیٹر (Peter the Venerable) اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف من گھڑت اور مناظرانہ مواد کی تخلیق کا روح رواں تھا۔ وہ دیر Cluny کا صدر راہب تھا۔ اسی نے اسپین میں ۱۱۴۲ء میں Toledan Collection نامی منصوبہ تیار کیا جس کی تخلیقات بشمول ترجمۂ قرآن صدیوں تک مغرب میں مطالعۂ اسلام کا بنیادی مأخذ رہیں۔ Quinn کے بقول Peter کے نظریۂ قرآن کا اظہار اس کی حاشیہ آرائی

سے ہوتا ہے۔اس میں اس نے قرآن کو ''حماقت، پاگل پن، ضعیف الاعتقادی اور جھوٹ'' قرار دیا ہے۔اس کی نظر میں پیغمبر اسلام ایک اُ عرب چال باز، مرگی کے مریض تھے۔انھوں نے مکاری، قتل وخونریزی اور جنگ و جدال کا بازار گرم کر کے قوت حاصل کی اور ان کے مذہبی ارشادات دراصل سیاسی طاقت وغلبہ کو ہتھیانے کا بہانہ تھے۔مزید برآں اس کا یہ بھی ماننا تھا کہ عیسائی ملحد/راہب Sergius اور کچھ دیگر یہودیوں نے محمد کو ایک نئی بدعت کی ایجاد میں معاونت کی۔اس کی تصنیف Liber Contra Sectam Sive Haereism Saracenoru اسلام کی منظم تردید کی ایک ابتدائی کوشش کا درجہ رکھتی ہے۔

Thomas Aquinas ازمنہ وسطیٰ کے مغربی دنیا کی ایک بااثر شخصیت ہے۔اس کے یہاں بھی Peter کی خرافات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

Hidgen کی Polychronicon: تاریخ عالم پر تصنیف ہے، جس میں اخلاقی وناصحانہ رنگ کچھ زیادہ ہی ہے۔اس کے مطابق ''یہودیت، کفر، الحاد اور اسلام راہ راست سے منحرف ہیں۔اسلام کی گم راہی نے افریقہ، اسپین اور دنیا کے دوسرے حصوں کو مہلک وبا کی طرح آلودہ کر دیا تھا۔وہ نبی ﷺ کو fals کہتا ہے۔اس کے بقول اسلام نامی بدعت کے گھڑنے کی خفیہ سازش میں انطاکیہ کے آرچ ڈیکن یا یروشلم کے سردار، عیسائی/نسطوری زاہد Sergius نے رازدارانہ طور پر Mahomet کی مدد کی۔

1496ء میں پہلی بار چھپنے والی John Mandeville کی کتاب Travail of Sir John Mandeville and Voyage پیغمبر اسلام ﷺ کی سب سے زیادہ وسیع پیمانہ پر پڑھی جانے والی سوانح ہے۔ Dimmock کے بقول'' یہ کتاب بھی بڑی حد تک Hidgen کی Voragine, Polychronicon کی Legenda Aurea اور Lydgate کی The Fall of Princes سے مماثل ہے۔سب کے یہاں تقریباً ایک جیسی یاوہ گوئی کی گئی ہے''۔

سولہویں صدی میں پیغمبر اسلام ﷺ کی دنیا کے بدترین بدعتی کے روپ میں تصویر کشی ملتی ہے۔فتح قسطنطنیہ اور سلطنت عثمانیہ کے عسکری خطروں کے پیش نظر آپؐ

کے خلاف بر پاسبّ وشتم کا طوفان اور بھی سنگین ہو گیا تھا۔ انگلستان نے جب خود کو رومن پاپائیت کی زنجیروں سے آزاد کرلیا تو ایک نئی بحث یہ چھڑ گئی کہ دجال پیغمبر اسلام ہیں یا عیسائیوں کا رومن کیتھولک فرقہ ۔ لاٹ پادری Thomas Cooper نے اپنے ۱۵۷۵ء کے خطبے میں دونوں ہی کو یکساں طور پر مجرم ٹھہرایا۔ Martin Luther نے پیغمبر اسلام کو 'نفرت انگیز پیغمبر' قرار دیا ہے، کیوں کہ وہ عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا نہیں تسلیم کرتے، اس بات کے منکر ہیں کہ انھوں نے انسانوں کے گناہوں کے کفارہ کے طور پر جان دے دی، وہ اس کا انکار کرتے ہیں کہ مسیح کا ظہور ہی ہماری زندگیوں کے لیے ہوا تھا، وہ اس کو بھی نہیں مانتے کہ عیسیٰ پر ایمان لانے سے ہمارے گناہوں کی بخشش ہوگئی ہے، وہ اس کو بھی مسترد کردیتے ہیں کہ روز محشر مسیح ہی زندوں و مردوں کے حاکم اور منصف کے طور پر ظاہر ہوں گے (حالاں کہ وہ بعث بعد الموت کے پُرزور معتقد ہیں) ایسے ہی وہ روح القدس کے بھی قائل نہیں ہیں''۔

Alexander Ross نے ۱۶۴۹ء میں قرآن مجید کا پہلا انگریزی ترجمہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو بدنام کرنے میں Ross کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے: ''Mahomet معجزات کو گھڑنے والے، زبانوں اور تعلیم سے محروم، ایک ایسے جھوٹے پیغمبر ہیں جو وعدہ کے مطابق وفات کے بعد زندہ نہ ہو سکے۔

اپنے دیباچے بعنوان 'انتباہ' میں Ross نے Mahomet کے کفر بکنے اور جھوٹ کو یوں بیان کیا ہے۔ Mahomet فرق مراتب کا لحاظ کیے بغیر باپ، بیٹا، روح القدس (عقیدۂ تثلیث) اور خدا تک کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''قرآن کا مصنف خدائے برحق نہیں، بلکہ شیطان ہے ۔ Mahomet شیطان کا ترجمان ہے۔ محمدیت کی صورت میں شیطان دنیا میں سرگرم عمل ہے۔ اس نے اپنا پورا زور دو انسانی خصائل دھوکہ اور تشدد پر صرف کیا جو سولہویں اور سترہویں صدی میں Mahomet کی شخصیت کی بڑی حد تک نمائندگی کرتی تھیں۔''

Henry Stubbe (1632-1676) آکسفورڈ یونیورسٹی کے باڈلین

لائبریری کا نگراں تھا۔ اس نے ۱۶۷۱ء میں پہلی بار انگریزی میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق ایک منفرد وغیر معمولی کتاب لکھی، جس کا نام ہے:

An Account of the Rise and the Progress of Mahometatonism with the Life of Mahomet and the Vindication of Him and His Religion from the Calumnies of the Christians_

اس کتاب کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات گرامی قدر سے متعلق عام غلط فہمیوں پر Stubbe خطِ نسخ کھینچ دیتا ہے اور آپؐ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر انبیائے اکرام کی فہرست میں جگہ دیتا ہے۔

(۲) بائبل کی طرح وہ قرآن کو بھی ایک حقیقی صحیفۂ آسمانی تسلیم کرتا ہے۔

(۳) فتح مکہ کے موقع پر خانۂ کعبہ کے اندر اور اطراف میں موجود بتوں کے استیصال کو آپؐ کا قابل ستائش کارنامہ بتاتا ہے۔

(۴) مغربی مناظرہ بازوں کے ذریعہ آپؐ پر جہالت، پست خاندان اور اوچھے پن کے بے بنیاد الزامات کی تردید کرتا ہے۔

(۵) دوسرے مغربی مصنفین کے برعکس اس نے مسلمانوں کے نظریۂ قرآن کو صحیح مانا کہ قرآن مجید صحیفۂ آسمانی ہے، منزل من اللہ ہے جسے جبرئیل امین حضرت محمد مصطفی ﷺ کے پاس لے کر آئے تھے۔ وہ لاثانی اور فقید المثال ہے۔ اس جیسا کلام جن وانس مشترکہ کوششوں سے بھی نہیں لاسکتا۔

Humphrey Prideaux نے ۱۶۹۷ء میں سیرت نبویؐ پر بغض پرور عنوان سے ایک مفصل کتاب تحریر کی، جس کا نام ہے: The True Nature of Imposture Fully Displayed in the life of Mahomet_ یہ کتاب ایک صدی سے زائد عرصہ تک مرجع خلائق رہی۔ ۱۷۲۳ء تک اس کے آٹھ ایڈیشن منظر عام پر آچکے تھے۔ اس کے مخاطب خصوصی طور پر Deists (خدا کے وجود

کا اقرار مگر وحی کا انکار کرنے والے عیسائی) تھے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ عیسائیت مکر و فریب، پاکھنڈ اور جھوٹ نہیں، جب کہ اسلام اس کا کامل نمونہ ہے۔

Lady Mary Wortley Montagu (1689-1762): یہ اس دور میں مسلم دنیا کا سفر کرنے والی معدودے چند خواتین میں شامل ہیں۔ ان کی تحریریں مسلم و عیسائی دنیا کے مابین اعلیٰ و ادنیٰ کے حوالے سے جاری دوطرفہ مخاصمت ومخالفت سے غیر معمولی انداز میں پاک ہیں۔حرم سرا سے متعلق ان کے براہ راست غیر روایتی بیانات و خطوط پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلم خواتین کے بارے میں رائج کئی غلط فہمیوں کے ازالے میں کافی اہم ثابت ہوئے۔

اٹھارہویں صدی میں انگریزی دا ں افراد کے درمیان اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی بہتر سمجھ کا راستہ ہموار کرنے والی ایک اہم اور با اثر شخصیت George Sale کی ہے۔ وہ آپؐ کے دعویٰ نبوت کو وہ فریب کا نام دے کر یک لخت خارج نہیں کرتا، بلکہ اقرار کرتا ہے کہ ''محمد کو اپنی دعوت وتبلیغ کے بنیادی نکتہ 'توحید' پر بلاشبہ مکمل شرح صدر حاصل تھا۔ مگر دیگر تعلیمات واوامر (ہنگامی حالات و کوائف) کے ناگزیر واتفاقی مظاہر تھے۔''

ممتاز برطانوی مؤرخ Gibbon نے بھی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی مثبت شبیہ پیش کرنے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ Quinn کا کہنا ہے ''بحیثیت مؤرخ اٹھارہویں صدی کا کوئی دوسری یوروپی اس کا ہم سر نہیں۔ اس کی نظر میں اسلام متعدد مثبت صفات کا حامل ہے۔''

Quinn کے مطابق Gibbon کا ماننا ہے کہ Muhammad اپنے مکی دور میں ایک صالح اور غیر معمولی انسان تھے، گبن تسلیم کرتا ہے مگر ہجرت مدینہ کے بعد سیاسی قائد ورہ نما اور پیغمبرانہ کردار اختیار کرنے پر وہ جاہ طلب سیاست داں بن گئے اور ہر طرح کا مکر وفریب، ظلم واستبداد اور تعصب کا اظہار کرنے لگے۔

فرانسیسی عقلیت پسند مؤرخ اور مصنف Voltaire نے اپنے ڈرامے Mahomet میں پیغمبر اسلام کی ذات پاک سے وابستہ ازمنہ وسطیٰ کی مخالفت کو از سر نو

زندہ کر دیا۔ Dimmock نے لکھا ہے:

''یہ ڈرامہ اسلام و پیغمبر اسلام ﷺ کی گھناؤنی و بدترین تصویر کشی کے معاملے میں سابقہ جملہ اسٹیج ڈراموں پر فائق ہے ۔یہ غیر معتدل جنونیت و حماقت کی وہ حد درجہ مقبول عام تصویر کشی تھی جس سے انگلستان میں ایک نئے طرز کے Mahomet کا ظہور ہوا''۔

جرمن ادیب Goethe پیغمبر اسلام ﷺ کی ہمدردانہ بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر موافقانہ تصویر کشی کرنے میں جملہ مغربی مصنفین پر سبقت لے گیا ہے۔ Quinn کا کہنا ہے''اس دور کی کتابوں میں محمد ﷺ کو نعوذ باللہ دھوکے باز کے طور پر پیش کیا جاتا تھا،مگر Goethe نے Mahomet کو (نابغۂ ناقص) کے روپ میں لفظی پیکر عطا کرنے کا منصوبہ بنایا،لیکن وہ اسے پورا نہ کرسکا۔

اگلے باب میں جن انگریزی ادباء کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے وہ بھی مذکورہ وسایلِ معلومات ہی کے پروردہ تھے ۔لہٰذا ان کے یہاں بھی آپؐ کے خلاف انہی ملامت آمیز صفات اور طنز آمیز تبصروں کی بھرمار ہے۔

(1370) The Vision of Piers Plowman کی Langland قرون وسطیٰ کے دور کی انگریزی کی ایک اہم تمثیلی نظم ہے۔ یہ محض ایک علامتی نظم نہیں ہے، بلکہ اس میں بائبل کی تفسیر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور حضرت مسیحؑ کو انسانیت کا نجات دہندہ ثابت کیا گیا ہے۔نظم نگار کا ماننا ہے کہ مسلمان جسے اپنا مسیحؑ تصور کرتے تھے وہ (Makamed) مرتد ہونے سے قبل ایک عیسائی راہب تھے ۔اس نے بھی اپنے پیش رؤں کی راہ پر گامزن ہو کر یاوہ گوئی اور کذب بیانی کا طومار باندھا ہے۔

Chaucer کی The man of law's tale نامی حکایت مشنری جذبہ سے سرشار ہے۔غیر عیسائی عجیب،اجنبی، بربر اور وحشی دنیا پر اس کی بحث لائق توجہ ہے۔مصنف ازمنہ وسطی میں رائج آپؐ کے کافر و بت ہونے کی گھسی پٹی تصویر کو پیش کرتا ہے، بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ کے نام سے ماٴخوذ 'Maumetry' بمعنی بت پرستی

کا نیا لفظ بھی وضع کرڈالتا ہے''۔ اپنی کتاب میں وہ پیغمبر ﷺ کے نام کی تین یا چار محرف شکلیں استعمال کرتا ہے جن میں سے دو بہت فحش ہیں۔ وہ اسلام کو Mahoun کا گھڑا ہوا دین قرار دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسلام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے اور Cristes law یعنی شریعت عیسوی اس کا بدل بن جائے۔

Lydgate اگرچہ پہلا انگریز شاعر ہے جس نے سیرت النبی ﷺ اور تعلیمات نبویؐ سے متعلق یوروپی نقطۂ نظر کی قدرے تفصیل سے تصویر کشی کی ہے تاہم چاسر کے بالکل برعکس وہ The Fall of Princes کے نویں حصہ میں (ص ۵۰ تا ۱۶۱) اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی یکسر منفی، بلکہ قابل نفرت تصویر کشی کرتا ہے۔ محض آپؐ کو بدنام کرنے یا ایک قدم آگے بڑھ کر آپؐ کو شر مجسم کا روپ دینے کے پیش نظر جملہ اقسام کی جھوٹی تہمتوں کا طومار باندھتا ہے اور قبیح ترین خاکہ پیش کرتا ہے۔ اس کے تحقیر آمیز اور بہتمت آمیز بیانات نے اس کے ہم عصر سامعین کے ہی اذہان کو مسموم نہیں کیا، بلکہ اس کے درج ذیل اقوال بعد کے مغربی ادباء کی تحریروں بشمول شیکسپیئر میں بھی در آگئے: (۱) وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے یتیم پیدا ہونے کو غلط بیانی کے ذریعہ پست کنبہ بتاتا ہے۔ (۲) نزول وحی کے وقت آپؐ کی کیفیت کو مرگی یا ہسٹیر یا کا نام دیتا ہے۔ اس نے لوگوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے جھوٹ گھڑا کہ Machomeet نے ایک فاختہ اور بیل سدھا کر رکھا تھا۔ اس نے ایک اور بے بنیاد کہانی کو مقبول عام کیا۔ وہ یہ کہ Sergius نے Machomeet کو اصول و قوانین سکھایا اور معجزات کی پیش کش میں مدد فرمائی۔ اس کی نظر میں Sergius نے ہی Machomeet کو خود کو پیغمبر کے طور پر پیش کرنے کی مہمیز عطا کی اور اسی نے جزئی یا مکمل طور پر قرآن کی تصنیف کی ہے۔ اس نے Higden کی کتاب Polychronicon سے متأثر ہو کر Lydgate نے پیغمبر اسلام ﷺ سے ایک اور جھوٹا معجزہ منسوب کرڈالا ہے کہ Machomeet نے ایک بھاری بھرکم بیل سدھا کر رکھا تھا جو اپنی سینگوں پر شہد اور دودھ کے چھوٹے چھوٹے برتن ڈھو کر لاتا تھا۔

ڈنبار بھی Lydgate ہی کی ڈگر کا راہی نظر آتا ہے، کیوں کہ The Dance of the Sevin Deidly Synn's میں وہ پیغمبر اسلام ﷺ کو شریر وسرکش شیطان کی شکل میں پیش کرتا ہے۔اس نے Mahoun کو جہنم کی تقریبات کا سردار بتایا ہے۔

عہد ایلزبیتھ کے بااثر مصنف ومؤرخ Sir Walter Raleigh نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے موضوع پر ایک کتاب The Life and Death of Mahomet لکھی ہے۔۲۵۶رصفحات پر مشتمل اس کتاب کے صرف ابتدائی تیس (۳۰) صفحات ہی سیرت النبی ﷺ سے متعلق ہیں۔یہ کتاب آپؐ کی سیرت پاک کے حوالے سے آدھے ادھورے حقائق، حتی کہ جھوٹ اور مفتریانہ داستانوں سے بھری پڑی ہے۔اس کے مصنف کی کذب بیانی/تاریخ دانی ملاحظہ ہو۔آپؐ کے بارے میں وہ لکھتا ہے: اپنی فتوحات کی وجہ سے پرشکوہ اور عظیم ہوجانے پر انھوں نے قسطنطنیہ اور شاہ ایران پر یلغار کردیا۔سیریا، یروشلم، میسوپوٹامیہ، بابل اور دیگر مشرقی ریاستوں کو بزور شمشیر جیت لیا اور خود کو ان سب حکومتوں کا شہنشاہ بنا ڈالا۔ وہ آپؐ کے حضرت اسمعیلؑ کی نسل سے ہونے پر بھی سوال اٹھاتا ہے۔ہجرت مدینہ کے حوالے سے بھی وہ خلاف واقعہ بلکہ بغض پرورلن ترانی کرتا ہے اور جھوٹ گھڑتا ہے کہ Mahomet نے مدینہ پر لشکر کشی کی اور اسے بزور شمشیر تہہ تیغ کرڈالا۔

Marlowe کے ڈرامہ Tamburlaine میں پیغمبر اسلام ﷺ کا چھتیس (۳۶) بار ذکر ہوا ہے، لیکن یہ وہ دیگر مغربی مصنفین کی طرح نفس مضمون سے مصنف کی مکمل عدم واقفیت کا راز افشا کردیتا ہے۔

مارلو ترکی ملکہ Zabina کی زبانی کہلواتا ہے کہ ''اس (Mahomet) نے عیسائیوں کے خلاف جنگ کی''۔ مارلو نے آپؐ کو شیطان قرار دیا ہے۔زخم پر نمک چھڑکنے کے لیے اس نے مسلم کرداروں کی زبانی گھناؤنی گالیوں کی بوچھار کردی ہے۔ بایزید جب شکست سے دوچار ہوجاتا ہے تو اس کی ملکہ پیغمبر اسلام ﷺ کو اپنے سب و

شتم کا نشانہ بنانے لگتی ہے۔ وہ یہیں پر بس نہیں کرتی بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر اپنے عقیدۂ اسلام تک کو ترک کر دیتی ہے۔ تیمور لنگ خود بھی اس نظریہ کا حامل ہے کہ Mahomet فریبی و پاکھنڈی جہنم میں ہے اس لیے وہ تیمور لنگ کی آواز نہیں سن سکتا۔ اس لیے عبادت و بندگی کے لیے کسی دوسرے خدا کی تلاش کرو۔

تیمور لنگ عثمانی خلیفہ پر اپنی فتح کے بعد قرآن، سنت اور رسول اکرم ﷺ سب کی توہین وتذلیل کرتا ہے۔ وہ قرآن کو 'ترک قرآن' کا نام دیتا ہے۔ اسلامی کتابوں کو ضعیف الاعتقادی کا ڈھیر گردانتا ہے۔ وہ سب جھوٹ اور افسانہ ہیں اور نصرانیت سے متصادم ہیں، لہٰذا انھیں نذر آتش کر دینا چاہیے۔

پروفیسر قدوائی نے لکھا ہے: مارلو کا قرآن کریم کو 'ترک قرآن' کا نام دینا اسلام کے بارے میں اس کی ہمالیائی غلطی کو طشت از بام کر دیتا ہے۔ مصنف قرآن کے حوالے سے بھی مغرب اسی طرح کے مغالطہ کا شکار رہا ہے۔ قرآن کے بارے میں ہر مسلمان کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ یہ جبرئیل امین کے توسط سے محمد عربی ﷺ پر کی جانے والی وحی الٰہی پر مشتمل ہے جسے کاتبین وحی پوری دیانت داری سے ضبط تحریر میں لاتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ہدایت ربانی کی روشنی میں انھیں کتابی شکل میں مدوّن کر دیا۔ مگر المیہ یہ ہے کہ مغرب نے جمع وتدوین قرآن کی اس پوری روشن اسلامی تاریخ کو سرے سے خارج کر دیا اور طرفہ تماشا یہ کہ انھیں یہ غرّہ بھی لاحق ہے کہ ہم جو کچھ قرآن کے بارے میں اظہار خیال فرمائیں اس پر مسلمان آمنّا وصدّقنا کی تصویر بن جائیں۔

مارلو آں حضور ﷺ کے تابوت کے سلسلے میں ایک بالکل بے بنیاد داستان کو بھی مقبول عام بنانے کا بلاشرکت غیرے امتیاز حاصل ہے۔ افسانہ یہ ہے کہ Mahomet کی لاش کو وفات کے بعد لوہے کی تابوت میں رکھ کر مکہ میں کعبہ شریف کی چھت پر زمین وآسمان کے درمیان مقناطیسی پتھروں کی مدد سے فضا میں معلق کر دیا گیا تھا۔ پروفیسر بائرن اسمتھ نے اسے عیسائیوں کا من گھڑت جھوٹ قرار دیا ہے۔ انوکھی بات یہ ہے کہ دور سدۂ ثانیہ سے قبل یہ افسانہ انگریزی ادب میں ناپید تھا، لیکن سدۂ ثانیہ

کے ادب میں، بلکہ بعد کے ادوار میں بھی بے شمار تلمیحات وتشبیہات کا ماٰخذ رہا ہے۔

بہرحال Ben Jonson کے فاضل شاگرد Robert Baron نے اپنی تصنیف 'Mirza' میں اس 'سوقیانہ روایت' کو خارج کر دیا ہے۔ سر ٹامس براؤن نے اپنی تالیف 'سوقیانہ اغلاط' میں اس 'بدیہی غلط افسانہ' کو زیادہ زوردار انداز میں مسترد کر دیا ہے۔

انگریزی ادب کے مایہ ناز ادیب شیکسپیئر کے ڈراموں میں اگرچہ اکثر مقامات پر، سرسری طور پر ہی سہی، کل چھبیس (۲۶) دفعہ اسلام، ترک، عثمانی اور مسلمانوں کا ذکر ہوا ہے۔ لیکن وہ مسلمان اور ترکوں کے درمیان قائم اخوت و بھائی چارہ کے مضبوط رشتے میں بھی غلطیاں تلاش کرتا ہے۔ ترکوں اور مسلمانوں کے خلاف تعصب کی لہر کس قدر شدید تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیکسپیئر اور فرانسس بیکن دونوں مسلمانوں کے درمیان قائم اتحاد و اخوت کے مضبوط رشتے کو عیسائیوں کے خلاف متحدہ یلغار کی حکمت عملی کا جز خیال کرتے ہیں۔ اس کا مزید تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو اس حکمت عملی کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ شیکسپیئر بھی اسلام، مسلمان اور پیغمبر اسلام ﷺ کا مذاق اڑاتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی ذات مبارکہ سے متعلق مغربی ہفوات و افترا پردازی کا وہ بھی اسیر دام ہے۔ Romeo and Juliet میں تو وہ ایک قدم اور آگے بڑھ جاتا ہے اور آپؐ کو retched puling fool /A whinning mammet یعنی بدبخت احمق/بھوں بھوں (کتے کی آواز) کرنے والا بت تک کہہ ڈالتا ہے۔ شیکسپیئر کی تخلیقات میں براہ راست طور پر حضرت محمد ﷺ کا ذکر صرف ایک بار ہوا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ Muhammad نے ایک فاختہ کو تربیت دے رکھی تھی، جو لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے ان کے کان پر رکھے اناج کو کھاتی تھی اور یہ تاثر قائم کرتی تھی کہ وہی روح القدس ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے جھوٹے مدعی نبوت ہونے کے غلط تصور کا قائل ہے، بلکہ آپؐ کے جملہ متبعین بالخصوص ترکوں کو چال باز، دھوکہ باز، شہوت پرست اور ذلیل وخوار سمجھتا ہے۔ اس کی نظر میں لفظ Turk تقریباً ناگزیر طور پر شہوت اور ظلم و استبداد کی تصویریں ذہن کے افق پر

کھینچ دیتا ہے۔ King Lear میں جب Lear نے Edgar سے پوچھا: تم کیا کرتے رہے ہو؟ تو Edgar کہتا ہے: ''عورتوں سے آشنائی کے معاملہ میں تو میں نے ترکوں کو بھی مات دے دی ہے''۔

سترہویں صدی کی ابتدا میں Turk ایک عام لفظ تھا، جس کو خاص طور سے مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل کے لیے وضع کیا گیا تھا۔ اسے شیکسپیئر نے Hamlet, Othello, King lear, Hennry IV, Richard II , Richard III, The Merchant of Venice, Much Ado About Nothing میں بار بار استعمال کیا ہے۔

پروفیسر قدوائی نے لکھا ہے کہ مشرق کے بارے میں عموما اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں خصوصاً شیکسپیئر کے اقوال مغربی/عیسائی روایتی غلط فہمیوں و غلط تصورات ہی کے عکاس ہیں، جو کہ اس کی عبقری شخصیت سے میل نہیں کھاتے۔

اس دور میں ترک اور اسلام لازم وملزوم تھے۔ وہ مغرب کی نظر میں ایک ہی سکے کے دو پہلو تھے۔ لہٰذا ترکوں کی تصویر کو مسخ کرنا گویا جملہ مسلمانوں اور عالم اسلام پر حملہ کرنا تھا۔ اس مقصد کے پیش نظر عہد ایلز بیتھ میں ترکوں پر مبنی ڈراموں کا ایک سلسلہ گھڑا گیا، جن میں Robert Green کا Alphonsus، Daborne کا A Christian Turn'd Turk، Philip Massenger کا Renegado، Fulke Greville کا Mustapha اور John Mason کا The Turk سر فہرست ہیں۔ عہد ایلز بیتھ کے ترک ڈراموں میں Mahomet اس مذہبی و تاریخی انسانی دیوتا/ خدا یعنی حضرت مسیح کا روپ ہے جس سے دنیاوی معاملات میں مداخلت کی درخواست کی جاتی تھی۔ Robert Green کے ترک ڈرامہ Alphonsus of Arragon میں ایک عجیب منظر ہے، جس میں پیغمبر اسلام ﷺ کے ایک بہت بڑے بت کا ذکر ہے، جس کا سر پیتل کا بنا ہوا تھا۔ اس لاثانی طاقت وقوت والے/ دیوتا/ خدا' کے حضور پُرشکوہ ترک Amrack اور اس کے تین حلیف شہنشاہ جھک کر آداب بجالاتے

ہیں، کیوں کہ وہ اُسے اپنا معبود تسلیم کرتے ہیں اور اس کے نام کی دہائی دیتے ہیں۔

Fulk Greville کے ڈرامے Mustapha میں ایک مسلم مذہبی پیشوا ہی پیغمبر کی جھوٹی شریعت پر اعتراض کرتے ہوئے اس کی تضحیک کرتا ہے اور Mahomet کو جھوٹا اور اس کو شریعت کو آمرانہ، غیر منصفانہ، جاہ طلبی پر مبنی اور خون خرابہ سے بھری گردانتا ہے۔ اسی طرح John Marson کے ڈرامہ The Turk میں بھی ایک (مسلم) ترک استخفاف اسلام کا ارتکاب کرتا ہے۔

Samuel Butler(1612-80) کی ہجویہ نظم Hudibras میں بھی اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلمانوں کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ نظم نگار سب سے پہلے تو مسلمانوں کو خصوصیات انسانی سے محروم کر دیتا ہے۔ وہ Bruin بھالو کو مسلمانوں کے مشابہ قرار دیتا ہے۔ Puritanism پر حملہ کے دوران بے شرمی سے پیغمبر اسلام ﷺ پر خواہ مخواہ بہتان تراشی کا موقع تلاش لیتا ہے۔ اس نے دین اسلام اور Puritans کا موازنہ کیا ہے اور گستاخی و بدتمیزی اور درشت مزاجی میں Puritans کو مسلمانوں کے مثل قرار دیا ہے اور انھیں وحشی جانور بتایا ہے۔ اپنی ایک دوسری غزل بعنوان Upon an Hypocritical Nonconformist; A Pindaric Ode میں وہ دوبارہ کلیسا مخالف گروہ کی ہنسی اڑانے کے لیے مشرقی سیاق کا استعمال کرتا ہے۔ اس کی نظر میں پیغمبر اسلام ﷺ اور کلیسا مخالف دونوں بزور شمشیر اپنے افکار و نظریات کی نشر و اشاعت کے مجرم لگتے ہیں۔ وہ برطانوی کلیسا کے مخالف کو مسلمان کی طرح بلانوش اور نشہ میں دکھاتا ہے۔

Abraham Cowley (1618-1667) نے To Mr Hobs میں یورپ کے تاریک دور کے دوران یونانی علم و حکمت کے تحفظ اور مغرب منتقلی میں عربوں کے مؤثر کردار پر خراج عقیدت پیش کر کے عام ڈگر سے ایک اہم تبدیلی کی نمائندگی کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بانیٔ اسلام Mahomet نے جملہ علوم و فنون کی تعلیم و تعلّم کو ممنوع قرار دیا ہے اور شریعت محمدی کا واحد مقصد بزور شمشیر حصول سلطنت و

شہنشاہیت رہا ہے، تاہم مشرقی ملوکیت کے زیر سایہ علوم وفنون نے خوب ترقی کی۔

پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق John Dryden (1631-1700) کی تلمیحات سے شدید تعصب کی بو آتی ہے۔ بسا اوقات تو اس کے اتہامات از منۂ وسطی کی داستانوں میں وارد خباثتوں سے بھی زیادہ تعفن زدہ وغیر معقول نظر آتے ہیں۔ Don Sebastian (1689) میں مفتی (ایک مذہبی اور ماہر قانون شخصیت) انتہائی ظالمانہ تجویز یہ پیش کرتا ہے کہ جنگ کے جملہ عیسائی قیدیوں کو پیغمبر کے نام پر قربان کر دینا چاہیے۔

اہلِ مغرب کی غلط فہمی کی رَو میں بہہ کر ڈرائڈن پیغمبر اسلام ﷺ کو گھٹیا درجہ کا انتقام پرور بیان کرتا ہے۔ اہل کتاب اور مسلمان کے درمیان رشتۂ ازدواج کے حوالے سے بھی اس کی معلومات برائے نام اور ناقص ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے اخلاق و کردار کے تعلق سے اسے شدید نفرت ہے۔ اسی بنا پر وہ آپؐ کے خلاف دھوکہ اور اخلاقی پستی کا الزام تھوپ دیتا ہے۔ صورت حال اور بھی سنگین ہو جاتی ہے جب بعد ازاں ایک مسلم کردار Mustapha بھی آپ ﷺ پر سنگ ملامت اچھالنے لگتا ہے۔ ڈرائیڈن کا ایک دوسرا ڈرامہ Almanzor and Almahid; or The Conquest of Granada(1670) البتہ دشنام طرازی سے مبرّا ہے اور صرف کچھ مسلم کرداروں کی پیغمبر سے استعانت کو لفظی پیکر عطا کرتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ ڈرائیڈن نے آپؐ کی جو تصویر کشی کی ہے وہ منفی اور اہانت آمیز ہے اور از منۂ وسطیٰ کے مغربی غلط تصورات کے سر میں سر ملاتی ہیں۔

Pope بھی اپنی تخلیق Dunciad میں انہی بنیادوں پر اسلام اور مسلمانوں کو اعلانیہ مجرم ٹھہرانے کی روش میں Cowley اور Shaftesbury جیسے افراد کے نقش قدم کی پیروی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

جانسن کی ادبی تخلیقات میں استشراقی پہلو پر معتد بہ مواد ملتا ہے۔ ادبی استشراق کی روایت میں اس کا اہم تعاون مشرقی داستانوں کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ ان داستانوں کا یہ نکتہ خاصا چشم کشا ہے کہ اگرچہ کرداروں کے نام مسلم ہیں، وہ مسلمان

مما لک کے باشندے ہیں، مگر ان میں مشرقی رنگ برائے نام ہے اور سمرقند اور عربیہ وغیرہ مشہور اسلامی مقامات محض برائے نام مستعمل ہیں ۔ جانسن کی پہلی تخلیقی کاوش (1749) Irene کے لیے ایک مشرقی داستان کا انتخاب عہد جانسن میں ادبی استشراق کی روایت کی عکاسی کرتا ہے اور اس کی مقبولیت کی شہادت بھی پیش کرتا ہے۔ مشرقی ظلم و استبداد کو علانیہ مجرم گردانے میں یہ داستان Massinger کی Renegado اور ڈرائیڈن کی تخلیق Don Sebastian سے بہت مشابہ ہے۔اس داستان کا مرکزی کردار Mahomet ایک عاشق مزاج ترک سلطان ہے، جو ایک ایرانی قیدی دوشیزہ Aspasia کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ جانسن نے اس داستاں میں مشرق کی جو تصویر کشی کی ہے وہ ازمنۂ وسطیٰ کے ڈھانچے میں ڈھلی ہے اور اسلام و مسلم مخالف ذہنیت کی چغلی کھاتی ہے۔ وہ بھی آپؐ کی قبر کو مدینہ کے بجائے مکہ میں واقع ہونے کی عامۃ الورود غلطی کو دہرانے کا ارتکاب کرتا ہے۔ Rasselas وسیع موضوعات پر اس کے پختہ نقطۂ نظر کا مرقع پیش کرتا ہے اور بڑی حد تک کسی بھی طرح کی اسلام اور مسلم دشمنی سے اس کا دامن پاک ہے۔

William Cowper (1731-1800) نے Love of the World Reproved; or, Hypocrisy Detected میں اسلام میں خنزیر کے گوشت کی حرمت کے حوالے سے پیغمبر اسلام ﷺ پر Mysterious Charge کا الزام لگایا ہے۔ رومانوی دور کے قلم کاروں میں اسلام اور مسلمانوں پر سب سے زیادہ Southey نے خامہ فرسائی کی ہے۔

اس نے رزمیہ نظموں کے انداز میں Thalaba, Madoc (1806) اور Curse of Kehama (1810) بالترتیب اسلامی، میکسیکو کے متانی قبیلہ اور ہندو اساطیر پر مبنی نظمیں لکھیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق اس کے نظریات میں ازمنۂ وسطیٰ کی مناظرہ بازی کی بازگشت سنائی پڑتی ہے۔ Thalaba کا 'تعارف' اس سلسلے میں اس کی زہر افشانی کو طشت از بام کر دیتا ہے۔ وہ آپؐ کو False Prophet بتاتا ہے، جو

کسی غیر معمولی ذہنی استعداد کی بہ نسبت سخت قسم کی اوباشی کے لیے زیادہ لائق توجہ ہیں۔

وہ صحیح اسلامی تصورِ رسالت کے فہم و ادراک سے بھی قاصر ہے، کیوں کہ وہ پیغمبر کو خدا/ اللہ کا مترادف گردانتا ہے۔ صحت بیان سے یہی تغافل یا تجاہل عارفانہ اس کی Mohammed نامی ۱۰۹ سطر کی نامکمل نظم کو بھی ضرر پہنچاتا ہے۔ John May کو لکھے اپنے ایک خط میں وہ 'صادق و امین' کے القاب سے ملقّب پیغمبر اسلام ﷺ کو ''خود فریبی یا دانستہ طور پر فریب دینے والا'' ٹھہراتا ہے۔ اپنے متبنّٰی حضرت زیدؓ کی بیوی سے آپؐ کے نکاح کو نبی خادع کی ناقابل تردید دلیل مانتا ہے۔ اہل عرب کو (احمق) اور آپؐ کو 'احمقوں کو فریب میں مبتلا رکھنے والا اوباش' ٹھہراتا ہے۔ صحابہ کو افسوس ناک حد تک انتہائی خوش اعتقاد گردانتا ہے۔ اپنے مذکورہ منفی رویہ کے باوجود Southey نے پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلمانوں کی کچھ مثبت صفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے ڈرامائی کرداروں میں کفار مکہ اور قاتلانہ جوش و جذبہ سے سرشار خدا ترس مسلمانوں کے بالکل متضاد نظر آتے ہیں۔ یعنی 'اہل قریش جو کہ تاریک روح ہیں طیش سے بھرے ہیں'، 'شمشیر بکف قسم کھا چکے ہیں کہ (آپ ﷺ کا) خون بہا کر دم لیں گے۔' جب کہ حضرت محمد ﷺ کو بجا طور پر 'المصطفیٰ' کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وہ انتہائی حساس طبیعت کے مالک ہیں، صبر و استقامت کا پیکر اور غیر متزلزل قوت ایمان سے سرشار ہیں۔ سنگین بحرانی صورت حال میں بھی تائید و نصرتِ الٰہی کے تعلق سے ان کا یقین محکم انتہائی حیرت انگیز ہے۔ (,(114-110 (82-79) اسی طرح شمع رسالت کے دیگر پروانوں کی جاں نثاری و فدائیت اور للّٰہیت کا روایت کے برخلاف مستحسن بیان خوش گوار حیرت و استعجاب کا باعث بن جاتا ہے۔

(1799) Mahomet نامی اپنی نظم کے ابتدائی اشعار میں کولرج کا کہنا ہے کہ Mahomet پیغمبر اور راہب دونوں تھے۔ انھوں نے بیرونی دنیا میں شر اور خیر دونوں کی اشاعت کی۔ وسیع و عریض مسرفانہ سلطنتوں کی بناء ڈالی۔ ظلم و ستم کو تقدیس عطا کی۔ خود ضمیر مردہ تھے، مگر ملحدوں اور بت پرست عیسائیوں کے گستاخانہ رسوم و رواج کو

ملیامٹ کر دیا کیوں کہ عیسائیوں نے Gospel of Jesus کی تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا۔ فریضۂ تبلیغ دین مسیحیت سے تغافل برتا۔ مزید برآں خرد برد کر کے بد سے بدتر کر ڈالا۔ اسی لیے رب السمٰوات نے مکہ کے پُر جوش لڑاکو کا انتخاب کیا۔ کولرج کے مطابق گویا اسلام دیار مشرق میں رائج بت پرستی کے لیے عذاب الٰہی تھا۔ کیوں کہ انھوں نے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی سے اغماض برتا اور حضرت محمد ﷺ اور اسلام کے ظہور کا موقع فراہم کیا۔

ادیب، شاعر اور ڈرامہ نویس Walter Savage Landor (1784-1859) اپنی نثری تحریروں کی وجہ سے ممتاز ہے۔ ۱۸۲۴ء سے ۱۸۲۹ء کے دوران تصنیف کردہ اپنی کتاب The Imaginary Conversations Between Certain People of importance in their day میں اس نے کھل کر پیغمبر کو فریبی و خادع کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے خود پر شراب حرام کر لیا تھا، کیوں کہ آپؐ پر مرگی اور مدہوشی کا دورہ پڑتا تھا۔ ازمنۂ وسطیٰ کے دیگر مناظرہ بازوں کی طرح وہ بھی پیغمبر اسلام ﷺ پر دوسروں کی مدد سے قرآن گھڑ لینے کا بے بنیاد الزام لگاتا ہے۔

Thomas Moore (1852-1779) کی منظوم رومانی کہانی Lalla Rookh (1817) اور نظم Love of the Angels (1823) میں کثرت سے اسلامی مواد موجود ہے۔ وہ اپنے دور کی تحریک استشراق کا پروردہ نظر آتا ہے، لہٰذا اس کے یہاں بھی پیغمبر کے معلق تابوت کا ذکر ملتا ہے۔ وہ بھی ازمنۂ وسطیٰ میں رائج پیغمبر کی عاشقانہ زندگی کا جھوٹا افسانہ تراشتا ہے۔ The Love ot the Angels میں آسمانی فرشتوں کی ارضی خواتین سے محبت کی، یہ داستان گوئی بڑے پیمانے پر گستاخانہ/کفر آمیز تصور کی جانے لگی۔ مور نے اسے کمال فن کاری سے اسلامی رنگ دے دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ ''میرے جملہ ملائکہ آئندہ ایڈیشن میں صالح مسلمانوں (ترکوں) کا روپ اختیار کر لیں گے''۔ اس میں روایتی فاختہ کی داستان بھی شامل ہے۔ بہر حال Southey کے

برعکس، وہ آپؐ کی مخالفت کا سراپا مجسمہ نہیں ہے، کیوں کہ وہ 'ختم نبوت' کا قائل ہے۔

اسلام ،مسلمان اور پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق بائرن کی زیادہ تر تلمیحات ترک داستانوں اور بسا اوقات Beppo و Don Juan میں وارد ہیں ۔ یہ پہلو خاصا قابل لحاظ اور روح پرور ہے کہ اس کے مسلمان کردار بڑی حد تک زندگی کی سچی تصویریں پیش کرتے ہیں اور مصنف کے بین الثقافتی رواداری کے عکاس ہیں۔محمد عربی ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کو اسلام میں جو مرکزیت حاصل ہے اسے بائرن نے اپنی متعدد تلمیحات میں پیش کیا ہے، تاہم ایک غیر سنجیدہ تبصرہ (Don Juan II, 206) میں وہ پیغمبر اسلام ﷺ کو'' ہیروز، فاتحین اور قرم ساق/قلتبان/ دیوث'' کے زمرے میں شامل کر دیتا ہے۔ بہ صورت دیگر انگریزی ادب میں آپؐ کی سیرت پاک کو داغ دار کرنے والی جملہ ہرزہ سرائی سے بائرن کا دامن پاک ہے۔

وہ صرف عیسائیت ہی کے واحد نجات دہندہ ہونے کے عقیدہ پر مبنی ابتدائی انیسویں صدی کے استعماری ومشنری اسلوب پر Giaour میں کاری ضرب لگاتا ہے۔ Bride of Abydos کے سارے ہی کردار مسلم ہیں، لیکن قابل لحاظ پہلو یہ ہے کہ بائرن نے انھیں مشرف بہ عیسائیت کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے۔ایسا کر کے اس نے روایت سے انحراف کی نمائندگی کی ہے۔اس داستان کا ہیرو Selim اور دیگر ثابت قدم مشرقی کردار فسون مغرب کے مفتوح اور قتیل ہرگز نہیں ہیں ۔ اس پہلو سے بائرن قابل ستائش ہے۔

Shelly بھی اسلام اور مسلمانوں کی منفی تصویر کشی کی قدیم روایت کا اسیر ہے۔موراور دیگر رومانوی قلم کاروں کی طرح وہ بھی مشنری و استعماری تحریک کا علم بردار ہے، باوجود اس کے کہ وہ عیسائیت کو انگلستان کے لیے 'دقیانوسی بوجھ' گردانتا ہے۔ Hellas میں وہ سقوط اسلام کی پیشن گوئی کرتا ہے۔

۸رمئی ۱۸۴۰ء کو کارلائل نے 'ہیرو بحیثیت پیغمبر' کے موضوع پر اپنے مشہور خطاب میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کو مثالی نمونہ (Role model) کے طور پر

پیش کیا۔ یہ کسی ممتاز برطانوی مصنف کے ذریعہ مغرب میں عظمت رسول کے اقرار و استقبال کہنے کی اولین کاوش ہے۔ کارلائل نے اپنے اس خطاب میں آپؐ کو شان دار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔اس نے مغرب میں

آپؐ کی منفی تصویر کشی کے بارے میں لکھا ہے: ''اس انسان کی ذات سے متعلق ہمارے خیر اندیش بزرگوں نے جو جھوٹ کا انبار عرصۂ دراز سے گھڑا ہے، وہ صرف ہمارے لیے ہی باعث ننگ وعار ہے''۔کارلائل بزور شمشیر تبلیغ و اشاعت اسلام کے الزام کو بڑی حقارت سے رد کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ جب اہل مکہ آپؐ کی جان کے درپے ہوگئے تو دفاع کے طور پر Mahomet نے مردانہ وار اور بہادر عرب کی طرح انہی کی زبان میں سبق سکھایا۔ آپؐ کے شہوت پرست ہونے کا بھی وہ انکار کرتا ہے۔ اس کے مطابق Mahomet نے تو ہوس پرستی کے جن کو ایک دو نہیں بلکہ بہت سی بندشوں میں جکڑ دیا۔وہ اس الزام کو مسترد کر دیتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنا مذہب عیسائی تعلیمات سے گھڑا تھا۔کارلائل کے اس لیکچر نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق اہل کلیسا، صلیبیوں اور مناظرہ بازوں کے ذریعہ دانستہ طور پر پھیلائے گئے صدیوں پرانے غلط تصورات کی تردید وتغلیط میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔اس کی مدد سے اہل مغرب نے غالباً پہلی بار یہ محسوس کیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے لیے صدیوں سے 'مثالی نمونہ' رہے ہیں اور آپؐ کی مثالی زندگی قابل تقلید ہے۔اس پاک ہستی کے زبان مبارک سے نکلے الفاظ کروڑوں مسلمانوں کی زیست کے لیے سامان رشد وہدایت ہیں۔

کارلائل پیغمبر اسلام ﷺ کی ایک دوسری امتیازی صفت کی بھی نشان دہی کرتا ہے، یعنی دعوت اسلامی کی اصلیت اور آفاقیت۔اس کے مطابق ان کے کلمات کسی بشر کے الفاظ ہو ہی نہیں سکتے۔وہ سلسلۂ نبوت کے جدید ترین روپ ہیں۔وحی الٰہی سے انھیں فہم وادراک کی دولت نصیب ہوتی رہی۔ہم سب کو سب سے پہلے ان کے ملفوظات پر غور وفکر کرنا چاہیے۔بحیرۂ راہب سے آپؐ کے استفادہ کی قدیم روایت کو بھی کارلائل 'انتہائی مبالغہ آمیز' کہہ کر مسترد کر دیتا ہے۔آپؐ کی حیات طیبہ کے اکثر امتیازی اوصاف

کو وہ منظر عام پر لاتا ہے اور ان کی شہادتیں پیش کرتا ہے۔ وہ اپنے مغربی قارئین کو مطلع کرتا ہے کہ اسلام مرکوز باللہ دین ہے، لہٰذا پیغمبر اسلام ﷺ کو بتوں سے شدید نفرت ہے۔ وہ توحید الٰہ کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک لکڑی کے بتوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ کارلائل بجا طور پر اسلام کی تعریف، خدا کے حضور مکمل سپردگی، اور 'نفی ذات' کے طور پر کرتا ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی دعوت و رسالت کی آفاقیت کے اثبات کے لیے وہ جرمن ادیب گوئٹے کے اقتباسات نقل کرتا ہے: وہ عربوں کی بھی خوب تعریف کرتا ہے اور اس طرح مغرب میں رائج عربوں کی قدیم منفی تصویر کشی سے انحراف کرتا ہے۔

کارلائل کے اس لیکچر کی اہمیت بنیادی طور پر تاریخی ہے۔ اس پہلو سے یہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور رجحان ساز لیکچر ہے، کیوں کہ اس کے طفیل اہل مغرب کو سیرت پاک کی اصل حقیقت سے آگاہی نصیب ہوسکی، تاہم یہ پہلو بھی ملحوظ رہے کہ یہ لیکچر پیغمبر اسلام ﷺ کی مختلف الجہات و ہمہ گیر شخصیت کے جملہ پہلوؤں کا مکمل طور سے احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔ آپؐ کی آفاقی ہدایت ورہ نمائی کو اس میں بہت کم زیر بحث لایا گیا ہے۔

آغاز وحی اور اسلام میں توحید کی مرکزی تعلیم کا کارلائل نے جس خوش اسلوبی سے تذکرہ کیا ہے اسے پڑھ کر لگتا ہے جیسے یہ کسی سچے و راسخ العقیدہ مسلم کے رشحات قلم ہیں۔ اس لیکچر کے آخر میں کارلائل آپؐ کی ان نمایاں صفات کا ذکر کرتا ہے، جن سے وہ حد درجہ متأثر ہے۔ اس طرح وہ اپنے عہد کے لوگوں کو آپؐ کے عمدہ اخلاق و کردار کی بہتر قدردانی کا سنہرا موقع فراہم کرتا ہے۔

پروفیسر قدوائی نے کتاب کے آخری باب میں سیرت نبویؐ کے بارے میں حالیہ رجحانات پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔ انھوں نے بیان کیا ہے کہ صدیوں سے مغرب میں آپؐ کی جیسی انتہائی افسوس ناک اور قابل نفرت تصویر کشی کی گئی ہے، اس کے برعکس بیسویں صدی کی ابتدا میں ادبیات، مطالعات اسلامیہ، تاریخ، مطالعۂ تہذیب اور سوانحی میدان میں محمد عربی ﷺ کی بہتر نمائندگی کی راحت بخش کوششیں کی گئیں ہیں جن میں بڑی حد تک پیغمبر اسلام ﷺ کے انقلاب آفریں اور کردار ساز پیغام کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے۔

Rainer Maria Rilke (1875-1926) کی نظم (شائع شدہ ۱۹۰۷ء) "Mohammad's Berufung" میں رحمۃ للعالمین ﷺ کی سچی تصویر کشی کی مخلصانہ کوشش کی گئی ہے، کیوں کہ وحی الٰہی کے حوالے سے اس میں روایتی مزعومہ فاختہ یا مرگی کی لغویات کا شائبہ تک نہیں ہے، نہ ہی قرآن گھڑنے کے تعلق سے جھوٹ و فریب یا Sergius کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کو حلقہ بگوش عیسائیت کر لینے یا مفتوحہ مساجد کو مسمار کر ڈالنے کے معمول بہ جوش و خروش کے اظہار سے کہیں اوپر اٹھ کر وہ Furstin Taxis کو لکھے اپنے ایک خط میں سرزمین اسپین میں مسلم دور حکومت کی علامت مساجد کو کلیسا میں تبدیل کرنے پر افسوس اور اظہار ناگواری کرتا ہے۔ وہ اس عمل کو تکلیف دہ اور شرم ناک قرار دیتا ہے۔ ایک دوسرے خط میں وہ قرآن کی تعریف کرتا ہے۔ اپنی دیگر تصنیفات میں بھی اس نے اسلام اور مسلمانوں کی ہم دردانہ تصویر کشی کی ہے۔ T.S.Eliot, E.M.Forster, W.B.Yeats اور Doris Lessing جیسی اہم برطانوی ادبی شخصیات نے بھی اپنے اپنے شہ پاروں میں اسلام اور مسلمانوں کی مثبت انداز میں نمائندگی کی ہے، اگرچہ انھوں نے حضرت محمد مصطفی ﷺ پر خصوصی تصنیفات تو نہیں سپرد قلم کیں، تاہم ان کی تخلیقات میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جذبۂ خیر سگالی اور ذکر خیر کی مثالیں ملتی ہیں۔

اس دور میں سیرت پر انگریزی زبان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ عظیم تبدیلی کی عکاس ہیں۔ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی عظمت شان کے اعتراف کے خوش کن رجحان کا مظہر ہیں۔ R.V.C.Bodley (1892-1970) کی کتاب The Messenger: The Life of Muhamad (1946) میں Minou Reeves کے مطابق سیرت النبی 'خود تقریباً مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے'۔ سرزمین عرب میں سات سالہ قیام اور عربوں سے دوستی کی وجہ سے Bodley نے پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت پاک کے بہت سے مثالی درخشاں پہلوؤں کو پیش کیا ہے۔ قرآن کے جرمن مترجم اور ۱۹۵۷ء میں شائع کتاب ''محمد اور قرآن'' کے مصنف Rudi

Paret نے بھی آپؐ پر لگے فریب کے الزام کو پُرزور انداز میں مسترد کر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو سب سے شان دار خراج عقیدت ناسا کے سائنس داں، امریکی فاضل Michael M.Hart کی حد درجہ مقبول کتاب The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History (1978) میں پیش کیا گیا ہے۔ اب تک اس کتاب کے پانچ لاکھ نسخے فروخت ہو چکے ہیں اور پندرہ زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس میں مصنف تاریخ انسانی کے ہر دور کے عظیم ترین مذہبی و سیاسی قائدین، موجدین، مصنفین، حکماء، سیاح، فن کار اور اختراع پسندوں کے مختلف کارناموں کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد ان کے دیر پا اثرات کی تعیین قدر کرتا ہے۔ انتہائی حیران کن مسرت کا مقام یہ ہے کہ سو (۱۰۰) مؤثر ترین عالی شخصیات کی اس درجہ بندی میں اس نے مقام اول پیغمبر اسلام ﷺ کو دیا۔ اس کی بنیادی وجہ اس نے دینی اور دنیاوی دونوں سطحوں پر پیغمبر اسلام ﷺ کے نمایاں کارناموں کو قرار دیا ہے۔

Annemarie Schimmel (1922-2003) جرمنی میں عربی و اسلامک اسٹڈیز اور ترکی میں تاریخ مذاہب کے پروفیسر رہی ہیں۔ ان کی پچاس سے زائد کتابوں میں سے اکثر نے اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلمانوں کی بہتر شبیہ سازی کی راہیں ہموار کیں۔ اس سلسلے میں ان کی کتاب And Muhammad is His Messenger: The Veneration of the Prophet in Islamic Piety (1985) خصوصی تذکرہ کی مستحق ہے، جو اسلام میں پیغمبر کی مرکزیت اور مذہبی و روزمرہ زندگی میں ان کے اسوۂ حسنہ کی حیثیت کو آشکار کرتی ہے۔ اس میں پیغمبر اسلام ﷺ کی روحانیت کی جانب بھی توجہ دلائی گئی ہے، جسے اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

Karen Armstrong (1944) کی دو بااثر کتابیں Muhammad; A Biography of the Prophet (1991) اور Muhammad; Prophet for Our Time (2006) پیغمبر اسلام کے روایتی منفی گھسے پٹے خاکوں کے طلسم کو توڑنے میں بہت اہم ثابت ہوئی ہیں۔ اس خاتون نے جہاد اور رسالت کے

اسلامی تصور کی صحیح وضاحت پیش کی ۔اس نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین تھے، تشدد وخونریزی کا ان کے یہاں گزر نہیں تھا۔ اہل ایمان و کفار سبھی ان کے چشمہ رحمت سے یکساں سیراب ومستفید ہوتے تھے۔ وہ مغرب میں اسلام اور پیغمبر اسلام کو سراپا شر گردانے پر نادم ہوا اٹھتی ہیں ، کیوں کہ ان کی نظر میں دین اسلام امن وسکون اور تحمل کی صفات سے متصف ہے ۔ 11/9 کے حادثہ کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف بھڑکے سبّ وشتم اور مخالفت کے شعلوں کو بجھانے میں ان کی مؤخر الذکر کتاب نے اہم کردار انجام دیا ہے اور پیغمبر اسلام کو دور جدید کے لیے مثالی شخصیت کے طور پر پیش کیا ہے، کیوں کہ وہ تکثیریت ،امن عالم اور ہمدردانہ بین المذاہب تعلقات کے حقیقی نقیب تھے۔مزید براں اس نے اصلاح معاشرہ اور اخلاقیات کے میدان میں آپؐ کے کارناموں کو بھی سراہا اور اس سے بھی بڑھ کر آپؐ کی تعلیمات کو بیسویں صدی کے انسانوں کے لیے بھی مناسب گردانا ہے۔

John Adair (1934) کی تخلیق The Leadership of Muhammad (2010) مطالعات سیرت کے باب میں ایک نئی جہت کا اضافہ کرتی ہے۔ اس میں مصنف نے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی غیر معمولی قائدانہ صلاحیتوں کی نشان دہی اور تعریف کی ہے۔اس کے مطابق' عالم گیر قائد کی ایک عمومی صفت تواضع وخاک ساری ہوا کرتی ہے، جو محمد عربی ﷺ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ گلہ بان کے طور پر انھوں نے قائد کی تین بنیادی خوبیاں سیکھ لیں: (۱) ذمہ داری کو پورا کرنا (۲) گروہ کو متحد رکھنا (۳) انفرادی ضروریات کی تکمیل ۔ بعد ازاں بحیثیت میر کارواں آپؐ نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو اوج کمال پر پہنچا دیا۔

پیغمبر اسلام کی فقید المثال کام یابی کی ایک اور اہم وجہ اس کے نزدیک آپؐ کے دو عرفی نام' صادق وامین' ہیں، یعنی آپؐ کا حد درجہ امانت دار اور سچا وراست باز ہونا ہے۔ امراء کے انتخاب میں بھی آپؐ اس کا التزام فرماتے تھے۔ آپؐ صحابہؓ کے شانہ بشانہ ہر جد و جہد میں برابر کے شریک ہوتے تھے۔ تعمیر کعبہ کے وقت مزدوروں کی طرح

کام کرتے ہیں۔ خندق کی کھدائی کے وقت کدال بکف نظر آتے ہیں۔ گھریلو کاموں تک میں خوش دلی سے سرگرداں رہتے ہیں۔ دانشمندانہ حکمت عملی پر مبنی فیصلہ کے وقت دوسروں کی باتیں سنتے ہیں اور ان کے مشورے قبول کرتے ہیں۔

اس طرح آپؐ کی زندگی کے بہت سے واقعات کی روشنی میں وہ اس حتمی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ آپؐ نے اچھے قائد کے آفاقی اصولوں کا بہترین عملی 'مثالی نمونہ' اہل دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

اعلیٰ درجہ کے تاریخی اور تہذیبی مطالعات پر مبنی کچھ کتابوں نے بھی حضور اکرم ﷺ کی ازمنۂ وسطیٰ سے رائج منفی تصویر کشی کی روایت شکنی میں قابل قدر تعاون کیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے نمایاں نام Noman Daniel (1919-1992) کا ہے۔ ان کی متعدد کتابیں مثلاً The Arabs and the Medieval Europe, Islam and the West; Making of an اور Heroes and Saracens Iamge قرآن، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف مغربی تعصّبات کی دستاویز ہیں۔ Islam and the West (1961) بالخصوص اسلام مخالف عیسائی مناظرہ بازی کی تاریخ، پیغمبر اسلام ﷺ پر حملے، غلط بیانیوں کے محرکات اور تا حال ازمنۂ وسطیٰ کے متعصّبانہ افکار کے بارے میں مستند معلومات کا خزینہ ہے۔ مصنف نے ان مغربی تعصّبات کو بیان کرنے کے ساتھ ان پر تاسّف کا اظہار کیا ہے۔

Albert Hourani (1915-1993) کی تحریروں نے بھی مغرب میں عربوں کی بہتر نمائندگی میں اپنا تعاون پیش کیا ہے۔ مابین الثقافۃ مطالعات پر مبنی اس کی خاص طور پر Islam in Europeon thought(1991) اور Europe and The Middle East اسلام اور مغرب کے درمیان بقائے باہم اور بہتر افہام وتفہیم کی دعوت دیتی ہیں۔ اس کی تصنیفات بڑی حد تک اسلام اور عربوں کی منفی روایتی تصویروں سے مبرّا ہیں۔ William Montgomery Watt (2006-1909) کی Muhammad at Mecca (1953) اور

Muhammad at Madina (1956) بشمول دیگر تحریروں نے مغربی دنیا میں پیغمبر اسلام ﷺ کی متوازن شبیہ پیش کرنے میں ایک طویل فاصلہ طے کیا ہے۔ پُر امن بقاء باہم کے جذبہ سے سرشار ہو کر وہ اہلِ مغرب کی صدیوں کی افسوس ناک متعصّبانہ روش کو ترک کر کے پیغمبر اسلام ﷺ کی بہتر و منصفانہ فہم سے بہرہ ور ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ Muhammad at Madina میں Watt پیغمبر اسلام ﷺ کو ان کی تین عظیم ملکہ/ استعداد۔ روشن ضمیری، مدبرانہ فراست و دانائی اور منتظمانہ مہارت ۔کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔ وہ بیا نگ دہل اقرار کرتا ہے کہ محمد ﷺ عہد نامہ قدیم میں مذکور انبیاء و رسل ہی کے درجہ کے پیغمبر ہیں، اس کے مطابق حالیہ دور کی پختہ تر معلومات کی روشنی میں ابتدائی عیسائی/مغربی فضلاء کی اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق آراء مضحکہ خیز نظر آنے لگتی ہیں۔ اگر ہم قرآن کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو جو نکتہ ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ اس میں بائیبل کی کس قدر زیادہ معلومات درج ہیں بلکہ اس کی کس قدر کم معلومات اس قرآن میں شامل ہیں۔

فرانسیسی سوانح نگار اور اسکالر Maxim Robinson بھی اسی خیال کا داعی ہے۔ The Cambriadge History of Islam (1978) میں بھی پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف صدیوں پرانی مغربی غلط فہمیوں کی تشخیص کر کے ان کی زہرناکی کو کم کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔

ہمارے عہد کے ممتاز مغربی امریکی فاضل John L.Esposito (1940) نے بالخصوص 9/11 کے بعد کی اسلام دشمنی کی لہر کے پس منظر میں The Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic World(1995) میں مسلمانوں، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق غلط تصورات اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے معروضی اور فرحت بخش مثبت شبیہ پیش کی ہے اور آپ ﷺ کی مدنی زندگی پر عائد عسکریت پسندی اور مبینہ شہوت پرستی کے الزامات کی تردید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اکثر اہم جنگوں کی ابتدا دشمنان اسلام نے کی، جن مہمات کی قیادت آپؐ نے خود

کی، ان میں سے زیادہ تر مواقع پر دشمنوں سے مقابلہ آرائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔ شہوت پرستی کے الزام کی تغلیط میں وہ لکھتا ہے کہ پچاس سال کی عمر تک آپؐ کی محض ایک بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ تھیں۔ ان زندگی میں آپؐ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ ان کی وفات کے بعد ہی حضرت سودہؓ سے نکاح کیا، ہجرت مدینہ سے قبل آپؐ نے یہی دو شادیاں کیں۔ مدنی دور میں سیاسی حکمت عملی اور مسلم معاشرہ کے سربراہ کے طور پر آپؐ نے مزید نکاح کیے۔

Frederick Quinn (1935) کی ممتاز تصنیف The Sum of all Heresies: The Iamge of Islam in Western Thought (2008) نے مغرب میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی بہتر سمجھ کو یقینی بنا دیا ہے۔ اس کے مطابق اسلامی تاریخ، سیاسیات و عقائد سے متعلق صحیح معلومات کا عمومی فقدان اور اکثر پالیسی سازوں، مذہبی سربراہان اور عامۃ الناس کے ذریعہ اسلام کی سخت منفی تصویر کشی ہی حالیہ اسلام دشمنی کی وجہ ہے۔ اس نے اہل مغرب کے سامنے ان کے اپنے ہی مغالطہ آمیز تعصّبات کی جھلک دکھانے والا آئینہ لا کر رکھ دیا، جو آج بھی مختلف قالب و پیراہن میں زہر افشانی کر رہے ہیں۔ ان کی منشا عیسائی/مغربی دنیا اور مسلمان کے درمیان مشترک اقدار کو فروغ دینا اور مختلف مذاہب و مسالک کے افراد کے مابین غلط فہمیوں کی تاریخی جڑوں اور مذہبی و تہذیبی بے اعتمادی و نفرت کی اصل کو طشت از بام کر کے بین المذاہب مکالمے اور تفہیم کی وکالت کرنا ہے۔ اس مقصد کے تحت وہ اسلام کی پُرشکوہ عمارت پر تیشہ زنی کرنے والوں کو کھری کھوٹی سنانے میں کسی طرح کے تکلف کا شکار نہیں ہوئے۔

John Tolan (1959) نے اپنی درج ذیل اہم تصنیفات میں مغربی تحریروں میں وارد اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف تعصب کو بے نقاب کیا ہے:

(1) Saracen; Islam in the Medieval Europeon Imagination (2002)

(2) Sons of Ishmael; Muslims through Europeon Eyes in the Middle Ages (2008)

(3) Saint Francis and the Sultan; The Curious History of a Christian-Muslim Encounter (2009)

اسی طرح Matthew Dimmock (1975) نے پیغمبر اسلام ﷺ اور ترکوں کی مسخ شدہ تصویر کشی کی تحقیق و انکشاف کا قابل قدر کارنامہ اپنی درج ذیل دو (۲) تصانیف میں انجام دیا ہے: (1) Mythologies of the Prophet Muhammad in Early Modern English Culture (2013) اور (2) New Turks; Dramatizing Islam and Ottomans in Early Modern England (2005)۔

اول الذکر کتاب ۱۵۰۰ء سے ۱۷۰۰ء تک کے انگلستان میں اسلام سے متعلق عیسائی غلط فہمیوں کی مستند معلومات کا دائرۃ المعارف ہے۔ وہ بجا طور پر اس تصنیف کو 'سیرت (پاک) کی غلط ترجمانی کا مطالعہ' نام دیتا ہے۔ اس کی نظر میں پیغمبر اسلام ﷺ کی مسخ شدہ تصویر کشی کے ذمہ دار مسلم علاقوں کا سفر کرنے والے عیسائی سیاح اور متعصب و پُر جوش تبلیغ مسیحیت کے علمبردار راہب تھے۔ اس نے بدنام زمانہ اور مہلک ڈنمارکی کارٹون تنازعہ اور پادری Tarry Jones کے ذریعہ قرآن پاک کو نذر آتش کرنے کے واقعہ کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔

حالیہ دور میں UK کی جامعات میں شعبہ برائے مطالعات اسلامیہ کے ضمن میں کافی خوش آئند تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ Scarborough Report (1947) کے مطابق جملہ مشرقی مطالعات میں Middle Eastern Sutudies کو اس سرزمین میں اولیت حاصل رہی ہے۔ Henry II کے اتالیق Aderlard نے بارہویں صدی میں کئی عربی کتابوں کا لاطینی میں ترجمہ کیا، بعد ازاں صلیبی جنگوں کے طفیل اور عہد ایلزبیتھ کے سیاحوں کے ذریعہ شرق اوسط کی مختلف تہذیبوں و ثقافتوں سے واقفیت حاصل کی۔ Stuart شہنشاہوں کے دور حکومت میں جامعات میں اسلامیات کے مراکز قائم ہوئے اور ۱۶۳۲ء تا ۱۶۳۴ء کے درمیانی چار سالوں میں کیمبرج و آکسفورڈ میں عربی کے پروفیسر کا عہدہ معرض وجود میں آ گیا اور فی الحال یہ میدان ایک اہم شعبہ بن گیا ہے جس میں برطانیہ کی جامعات میں اسلامک اسٹڈیز کے بہت سے کورسز چلائے جا رہے

ہیں۔ان کی فہرست قدوائی صاحب کی کتاب کے صفحہ ۱۳۶ اور ۱۳۷ پر فراہم کی گئی ہے۔

حال ہی میں 'برطانوی انجمن برائے مطالعات اسلامی' کا قیام عمل میں آچکا ہے، جس کی پہلی کانفرنس ایڈنبرا یونی ورسٹی میں اپریل ۲۰۱۴ء کو منعقد ہوئی۔اس میں سو (۱۰۰) سے زیادہ مقالات پیش کیے گئے، جن میں کم از کم ساٹھ (۶۰) مسلم فضلاء کی تحقیقات شامل تھیں۔

یہ منظر واقعتاً تسکینِ جاں کا موجب ہے کہ اس وقت US، UK، کینڈا، یوروپ اور آسٹریلیا میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق مستند معلومات حاصل کرنے کے آزادانہ وآسان مواقع میسر ہیں، لہٰذا جتنی جلد ہم تعصب، تنگ نظری اور تہذیبی نرگسیت کے تنگ حصار سے اپنے اذہان کو پاک کرلیں گے اتنے ہی بہتر انداز میں ہم اپنے دور کی گلوبل اور تکثیری دنیا میں امن وسلامتی اور مسرت کی فضا سے لطف اندوز ہوسکیں گے۔اس سے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ کے حیات بخش پیغام کے مطالعہ کی فضا ہموار ہوگی اور یہ امر مسلّم ہے کہ انہی کے اسوۂ کاملہ کی تقلید وہم سری میں راہ نجات مضمر ہے۔

عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اور ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ان مقالات میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا اسلام کی طرف متوجہ ہو اور اس کی حقانیت تسلیم کرے تو ہمیں اس کے لیے بھرپور علمی اور فکری تیاری کرنی ہوگی اور اسلام کی روشنی میں موجودہ دور کے مسائل کا حل پیش کرنا ہوگا۔امید ہے کہ ان مقالات سے فکر ونظر کو تحریک ملے گی اور یہ اسلامی تحقیق کے عمل کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

صفحات: ۸۰ قیمت: ۵۲

'تفہیم القرآن' اور 'فی ظلال القرآن' کا تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر عظمیٰ خاتون

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ (م۱۹۷۹ء) کی تفسیر 'تفہیم القرآن' اور سید قطب شہیدؒ (م۱۹۶۶ء) کی 'فی ظلال القرآن' دورِ جدید کی نہ صرف دعوتی اور تحریکی تفسیر ہونے کی وجہ سے عربی اور اردو تفاسیر میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہیں، بلکہ کئی اہم خصوصیات دونوں میں مشترک ہیں۔ توحید کے حرکی اور ہمہ گیر تصور اور دیگر بہت سے اقدار و مفاہیم میں سید قطب شہیدؒ اور مولانا مودودیؒ ایک دوسرے کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔ دونوں مفکرین ایک چشمے سے سیراب ہوتے ہیں، اس کے حقائق کا ایک ہی تصور رکھتے ہیں، ایک ہی طریقے پر اس کی تعبیر و تشریح کرتے ہیں اور ایک ہی انداز میں اپنے نتائج فکر کو بہت منطقی اور مؤثر اسلوب میں پیش کرتے ہیں۔

دونوں نے قرآن وسنت کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ دونوں اصحاب مغربی تہذیب، اس کے فکر و فلسفے، خدّ و خال اور مظاہر سے اچھی طرح واقف تھے اور اس کے بارے میں ماہرانہ گفتگو کرتے تھے۔ ان دونوں میں عقائد میں پختگی اور اصالت پائی جاتی تھی اور وہ مغربی تہذیب کے مظاہر کا عقلی استدلال کے ذریعے رد کرتے تھے۔ وہ دونوں کشادہ ذہن تھے۔ ان کا اصول یہ تھا کہ 'حکمت' جہاں سے بھی ملے اسے لے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سید قطبؒ نے خاص طور سے فی ظلال القرآن کے تنقیح شدہ آخری ایڈیشن میں قابل لحاظ حد تک مولانا مودودیؒ کی کتابوں سے اقتباسات لیے ہیں اور ان کے حوالے دیے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے دل میں مولانا مودودیؒ کی کتنی قدرو

منزلت اور کس قدر محبت اور احترام تھا۔ وہ حوالہ دیتے وقت ان کے لیے **المسلم العظیم** اور **المسلم الصادق** اور ان کی تحریروں، کتابچوں کے لیے **البحث القیم، الرسالة القیمة** اور **البحوث القیمة الدقیقة** جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ انھوں نے فی ظلال القرآن میں اکتیس (۳۱) مقامات پر مولانا مودودیؒ کے حوالے دیے ہیں۔ ان حوالوں کے موضوعات یہ ہیں: ''دین، اسلام، الوہیت، ربوبیت اور حاکمیت، عبادت، جہاد، جاہلیت، سود، جنسی تعلقات، خاندان، شراب، اخلاقی قدریں۔'' یہ حوالے مولانا کی درج ذیل کتابوں (کے عربی تراجم) سے دیے گئے ہیں: (۱) جہاد فی سبیل اللہ (۲) سود (۳) اسلام اور جدید معاشی نظریات (۴) شہادت حق (۵) پردہ (۶) تفسیر سورۂ نور (۷) تنقیحات (۸) قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں (۹) دینیات (۱۰) تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں (۱۱) اسلام اور جاہلیت (۱۲) اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر۔ سید قطبؒ نے بہت سے مقامات پر صرف حوالے دیے ہیں، البتہ بعض مقامات پر اقتباسات بھی نقل کیے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مولانا سے کس قدر استفادہ کرتے ہیں۔ اس سے دونوں کے درمیان ہم آہنگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ البتہ بعض جگہ دونوں کی فکر میں اختلاف بھی ملتا ہے۔

تفہیم القرآن میں مولانا مودودیؒ نے قرآن کا ترجمہ وتفسیر عام فہم عصری اسلوب میں کیا ہے، جو دل ودماغ کو مسخر کرتا چلا جاتا ہے اس میں جدید رجحانات کو مدنظر رکھا گیا ہے اور قرآن کو زندگی کے ہر معاملے میں سرچشمۂ ہدایت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، جیسا کہ فی الواقع وہ ہے۔ اس میں اصل فوکس قرآن مجید کے کتابِ ہدایت ہونے پر ہے، تاکہ انسان دنیا اور آخرت کی ہولناکی اور تباہی سے بچ کر حقیقی فلاح و سعادت سے ہم کنار ہو سکے۔ اس کے لیے مولانا نے حسب موقع عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاشرت، معیشت، سیاست، عدالت اور جنگ وصلح وغیرہ امور پر مدعائے قرآن کی تشریح وتفہیم کی ہے۔

تفہیم القرآن کا انداز دعوتی وتحریکی ہے۔ اسے مولاناؒ نے قرآن وسیرت کے

گہرے مطالعہ کے بعد اختیار کیا تھا۔ یہ انداز فی ظلال القرآن میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا مودودیؒ نے اصل مآخذ و مصادر کی طرف رجوع کیا ہے اور اسلاف کی تفسیروں سے نقد و نظر کے ساتھ استفادہ کیا گیا ہے، بلا کسی تحقیق کے ہر قسم کے رطب و یابس کو قبول نہیں کر لیا ہے۔ وہ سابقہ مفسرین کی کہیں تائید کرتے ہیں تو کہیں ایک تفسیر کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں اور کہیں مختلف تفاسیر کے درمیان تطبیق دیتے ہیں اور کہیں تردید کرتے ہیں۔ یہ ان کا محققانہ اور علمی اسلوب ہے۔ تفہیم میں اسرائیلیات پر تنقید کر کے انھیں رد کیا گیا ہے۔ مولانا نے تفہیم میں سرمایہ داری، سوشلزم، سیکولرازم اور لبرلزم جیسے جدید نظریات سے بھی بحث کی ہے اور ان کی خامیاں واضح کی ہیں۔ انھوں نے علوم طبیعی اور سائنسی انکشافات سے بھی قرآن کی تفہیم میں مدد لی ہے اور ثابت کیا ہے کہ قرآن ہر دور کے لیے زندہ اور متحرک کتاب ہدایت ہے۔ تفہیم القرآن کے اسلوبِ تحریر میں زبان کی شائستگی، منطقی ربط و تسلسل اور عقلی استدلال، مقصدیت، علمی اور سائنٹفک انداز قاری کے لیے کشش رکھتا ہے۔ تفہیم القرآن میں اجماعِ امت سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کہی گئی ہے۔

سید قطبؒ کی تفسیر 'فی ظلال القرآن' اپنی نوعیت کی ایک اہم اور علمی و فکری تفسیر ہے۔ اس میں قرآنی آیات اور قرآنی تعلیمات پر علمی انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس میں سائنسی اور مغربی علوم کو قرآنی تعلیمات کی تفہیم و تائید کے لیے بہت عمدگی اور احتیاط کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ اس تفسیر میں سید قطبؒ ان معلومات کو قرآنی افکار کے تابع بناتے ہیں، قرآنی افکار کو سائنس اور مغربی علوم کے گرد نہیں گھماتے۔ آیات کے مختلف گروپ بنا کر ہر گروپ پر الگ الگ بحث کرتے ہیں، اس کے بعد آیت کے اہم الفاظ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس تفسیر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ سلف کے مسلک سے سرمو تجاوز نہیں کرتی، بلکہ اسے نئے خوب صورت قالب میں ڈھال دیتی ہے۔ اگر کسی آیت کی تفسیر میں سلف سے ایک سے زائد قول مروی ہوں تو سید قطب ترجیح دینے کے بجائے سب اقوال کو تفسیر میں سمو لیتے ہیں!

فی ظلال القرآن کا شمار دعوتی و تربیتی، تحریکی و انقلابی اور ادبی تفاسیر میں ہوتا

ہے۔ یہ قرآنی آیات کو مفہوم کے ساتھ سمجھانے اور قرآن فہمی کی استعداد پیدا کرنے کے پہلو سے بہترین تفسیر ہے۔ سید قطبؒ آیت کی مجمل تشریح پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ اس کے مفہوم کو بنیاد بنا کر مختصر سی تقریر کر دیتے ہیں۔ اس طرح یہ تفسیر اسلام اور اسلامی اقدار کی حقانیت پر ذہن و دماغ کو مطمئن کرتی ہے اور اسلامی احکام کی پیروی اور اسلامی نظام کی اقامت کے لیے تیار کرتی ہے۔

> سید قطبؒ نے اپنی تفسیر کے سلسلے میں لکھا ہے: ''بعض قارئین سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی تفسیر ہے، جس پر تفسیری چھاپ موجود ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو اسلام کے عام اصول و مبادی کی تعلیم ہے، جو نزول قرآن کا مقصد ہے اور ایک فریق کہتا ہے کہ اس کتاب میں دستور الٰہی کی تشریح اور نظامِ حیات کی توضیح ہے اور اس قانون کی حکمت و مصلحت سمجھائی گئی ہے، لیکن مصنف کا ارادہ ان میں سے کسی چیز کا نہ تھا۔ اس نے قرآن کے سائے میں رہ کر جن احساسات و خیالات کی دولت حاصل کی تھی انہیں ان سطروں میں پیش کر دیا ہے۔''[۱]

سید قطب شہیدؒ بلند پایہ ادبی اسلوب کے مالک تھے۔ اس معاملے میں وہ اکثر قدیم مفسرین سے بھی بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام معروف تفاسیر سے انھوں نے استفادہ کیا ہے اور ان سے اخذ کردہ معلومات کو اپنی تفسیر میں اس عالمانہ انداز میں سمو دیا ہے کہ یہ تفسیر ادبی مقالات کا مجموعہ ہی نہیں، بلکہ معلومات کا دائرۃ المعارف بن گئی ہے۔ فقہی مکاتبِ فکر کے اختلافات سے، جو عام تفسیروں میں ملتے ہیں، یہ تفسیر خالی ہے۔ وہ جس موضوع سے تعرض کرتے ہیں پوری جامعیت اور تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کرتے ہیں۔ اس تفسیر میں ایک ایسی شفاف اور پاکیزہ روح جلوہ گر نظر آتی ہے جو یقین و اذعان کی دولت، ایمان و عقیدہ کی گہرائی اور صبر و عزیمت کی نعمت سے لب ریز ہے۔ اس چیز نے تفسیر کو ایک متحرک زندگی اور رواں دواں اسلامی تحریک کی کتابِ ہدایت کی شکل دے دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم نے اس تفسیر کو قدر و تحسین

کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

سید قطبؒ کی پوری کوشش رہی ہے کہ لغوی بلاغی بحثوں اور کلامی وفقہی مسائل سے تعرض نہ کریں۔ ان کے خیال میں اس سے ان کی روح قرآن تک نہ پہنچ سکتی تھی اور جو روحانی، معاشرتی یا انسانی جذبات ان پر طاری ہوئے تھے وہ صفحات میں منعکس نہ ہو پاتے، چنانچہ ان پہلوؤں سے دامن بچا کر انھوں نے قرآن کے ادبی حسن، اس کے تصویری اسلوب، طرزِ ادا اور نظم ونسق کی جمال آرائی پر توجہ مبذول رکھی ہے۔ ان کی ابتدا سے خواہش تھی کہ 'التصویر الفنی' کی طرح پورے قرآن کے حسن و جمال کو نکھار کر پیش کیا جائے۔ کیوں کہ ان کا پختہ خیال تھا کہ قرآن کی حسین وجمیل تعبیر کا واضح طریقہ منظر نگاری اور تصویر کشی ہے۔ اسی طریقے سے پورے قرآن کو پیش کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ جب انھیں فی ظلال القرآن لکھنے کا موقع ملا تو ان کی تمنا حقیقت کا روپ دھار گئی۔

سید قطبؒ کا تعلق محمد عبدہ، رشید رضا، اور احمد مصطفیٰ مراغی کے اس مکتب فکر سے ہے جس نے نئے انداز میں زمانہ کی ضروریات کے مطابق قرآن مجید کی اس طرح تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے کہ قارئین پر ہدایت ورحمت کے دروازے کھل سکیں، قارئین کتاب الٰہی کے اعجاز وایجاز، سحر و بلاغت اور حسن و جمال سے متاثر ہوسکیں، فقہی وکلامی مباحث میں پڑ کر قرآن کے معانی و مفاہیم سے بے خبر نہ ہو جائیں، اس کے ادب و بلاغت کا اثر محسوس کرسکیں، ان کے فکر وعمل میں تبدیلی پیدا ہو سکے اور ان کی صبح و شام ایک نئے انقلاب سے آشنا ہو جائے۔ سید قطبؒ اس مکتب فکر میں سب سے ممتاز نظر آتے ہیں کہ ان کی تفسیر فی ظلال القرآن اس مقصد کو بدرجۂ اتم پورا کرتی ہے۔

انقلاب آفریں تفسیر

تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن دونوں کا انداز علمی، دعوتی اور تحریکی ہے۔ تفہیم القرآن ہر خاص وعام کے لیے اپنے اندر دل کشی اور آسودگی کا سامان رکھتی ہے۔ کسی بھی سطح اور کسی بھی طبقے کا انسان ہو، تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنے پر اس کے دل کو ایک طرح کی

ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔اس کی طبیعت کوسکون اور روح کو غذا ملتی ہے، ذہن کو روشنی اور قلب کو فرحت حاصل ہوتی ہے، علمی وفکری لحاظ سے وہ اسے اپنے مطابق حال پاتا ہے۔

اس کی ایک اور بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ قاری کو اسلامی انقلاب کے تمام مراحل میں ساتھ لیے چلتی ہے۔ قرآن ایک کتابِ انقلاب ہے، یہ محض نظریات وخیالات کی کتاب نہیں، بلکہ دعوت وتحریک کی کتاب ہے۔اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ خود کفر واسلام کے معرکہ کے سپاہی بنیں اور اس کش مکش کے تمام مراحل سے گزریں جن سے حاملِ قرآن کو گزرنا پڑتا ہے۔ پھر آپ محسوس کریں گے کہ آپ پر براہِ راست قرآن کا نزول ہو رہا ہے۔اس کتاب کو سمجھنے کے لیے صاحب تفہیم القرآن نے قرآن اور سیرت کا گہرا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ نبی ﷺ نے لا الہ الا اللہ کی دعوت سے کام کی ابتدا کی، جس میں تمام جھوٹے خداؤں کی نفی تھی۔ اس دعوت پر جن لوگوں نے لبیک کہا ان کی فکری تطہیر اور کردار کا تزکیہ کیا گیا اور ان کو منظم کیا گیا، پھر ان کی کش مکش علم بردارانِ کفر وضلال کے ساتھ شروع ہوگئی۔ باطل قوتوں نے ان کو لالچ دے کر خریدنے کی کوشش کی۔ ان پر ظلم وستم کیا گیا۔اس جماعت کو ہر طرح کی جان ومال کی قربانیاں دینی پڑیں، لیکن انہوں نے صبر واستقامت کا ثبوت دیا۔ یہاں تک کہ ان کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنی پڑی۔ ہجرت کے بعد اسلامی تحریک ایک دوسرے مرحلہ میں داخل ہوگئی۔ وہاں ان کو اہلِ کتاب سے سابقہ پیش آیا۔ کفار مکہ سے بار بار مسلح تصادم ہوا۔ موقع پرست منافقین سے بھی نمٹنا پڑا۔ان ہی حالات میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل بھی ہو رہی تھی۔ معیشت کی تطہیر بھی کی جا رہی تھی۔اسلامی قانون کا عملی طور پر نفاذ بھی ہو رہا تھا۔ اسلام کی اشاعت وتبلیغ کا کام بین الاقوامی سطح پر جاری تھا۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہوا، مخالفین کا زور ٹوٹا، سارے عرب میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور لوگ اس میں جوق در جوق داخل ہونے لگے، نبی ﷺ کی بعثت کا مقصد تمام ہوا پورا جزیرۃ العرب ایک قانون اور ایک ضابطہ کے تحت آ گیا۔ اللہ کا کلمہ بلند ہوا اور سارے جھوٹے کلمے پست ہوگئے۔ یہ وہ تحریک ہے جس کے ہر موڑ پر قرآن نازل ہوتا رہا۔ ۲؎

تفہیم القرآن میں قرآن کے اسی تحریکی طرز کو سمجھایا گیا ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے والا ایک طرف تو اس پس منظر سے واقف ہوتا ہے جس میں قرآن نازل ہورہا تھا اور دوسری طرف اس کا انطباق عصر حاضر پر کیا جاتا ہے۔ قرآن کی تفاسیر میں یہ تحریکی انداز بالکل منفرد ہے، جو کتاب وسنت میں گہری بصیرت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

فی ظلال القرآن کا انداز بھی دعوتی، تحریکی اور انقلابی ہے۔ اس میں قرآن کے حقیقی مدعا اور اس کی اصل اسپرٹ کو پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بھی تفہیم القرآن جیسا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ فاضل مصنف دورِ جاہلیت میں بھی ادب کے بے باک اور جری ناقد تھے اور اخوان سے منسلک ہونے کے بعد بھی ان کی زبان، قلم اور تمام قوتیں اسلام کے پیغام کو عام کرنے میں لگی رہیں۔ ۱۹۵۴ء میں جب اخوان کو خلافِ قانون قرار دے کر جیلوں میں بند کر دیا گیا تو انھوں نے بھی مختلف جیل خانوں کی وحشت ناک اذیتیں برداشت کیں۔ اس کے بعد ملک میں حالات کی تبدیلی سے انہیں علمی مشاغل جاری رکھنے کی اجازت ملی تو انھوں نے فی ظلال القرآن کی تکمیل کی۔ دوبارہ جب گرفتار ہوئے تو 'معالم فی الطریق' جیسی انقلابی تصنیف کی پاداش میں تختۂ دار پر لٹکا دیے گئے۔ مصنف نے خود لکھا ہے کہ اس کتاب کے چار ابواب ان کی تفسیر سے ماٴخوذ ہیں: **طبیعۃ المنھج القرآنی** (قرآن کا طریق انقلاب) **التصور الاسلامی و الثقافۃ** (اسلامی تصور اور ثقافت) **الجھاد فی سبیل اللہ** اور **نشأۃ المجتمع المسلم و خصائصہ** (اسلامی معاشرہ کی خصوصیات اور اس کی تعمیر کا صحیح طریقہ)۔ [۳] اس طرح قرآن جیسی انقلابی کتاب کی تفسیر اس انقلابی شخصیت نے لکھی جو تحریک اسلامی کے مختلف مراحل سے خود گزر کر آیا تھا۔ چنانچہ اس نے ان سارے تجربات، آزمائشوں، ایمان وعمل کے مختلف درجات اور انقلاب اسلامی کے ناگزیر مراحل کو اپنی تفسیر میں سمو دیا ہے۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات اور سارے انسانی مسائل کا واحد کامیاب حل ہے۔ اس نظریہ کو مصنف نے اپنی تفسیر میں ادبی رعنائی سے اور بلاغی انداز میں پیش کیا ہے۔

بلند پایہ ادبی اسلوب

تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن دونوں میں اعلیٰ درجہ کی ادبی خاصیت پائی جاتی ہے۔ادبی اسلوب میں دونوں ایک دوسرے سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ اس مماثلت کو مثالوں کے ذریعہ بخوبی پہچانا جاسکتا ہے۔مولانا مودودیؒ جب کسی موضوع پر لکھتے ہیں، چاہے اس کا تعلق عقائد وعبادات سے ہو، یامعاشرت،معیشت اور سیاست و تہذیب سے، اس سے متعلق مواد کے اہم نکات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ ہر نکتہ اپنے سیاق وسباق سے منطقی طور پر منسلک ہوتا ہے۔اس کے ساتھ وہ ان اشکالات کے تسلی بخش جوابات دیتے جاتے ہیں جو قاری کے ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

مولانا مودودیؒ کے ادبی اسلوب میں سلاست ،شستگی اور حسن بیان پایا جاتا ہے، جسے کسی بھی سورہ کی تفسیر میں دیکھا جاسکتا ہے۔مثال کے طور پر سورہ الضحیٰ کی تفسیر کی ابتدا میں مولانا مودودیؒ نے قسموں سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اس سورت میں دن کی روشنی اور رات کے سکون کی قسم کھا کر حضورؐ سے فرمایا گیا کہ تمہارے رب نے نہ تمہیں چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ تم سے ناراض ہوا ہے۔اس بات پر ان دونوں چیزوں کی قسم جس مناسبت سے کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح دن کا روشن ہونا اور رات کا تاریکی اور سکون لیے ہوئے چھاجانا کچھ اس بنا پر نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ دن کے وقت لوگوں سے خوش اور رات کے وقت ان سے ناراض ہوجاتا ہے، بلکہ یہ دونوں حالتیں ایک عظیم حکمت ومصلحت کی بنا پر ہے۔اس کا کوئی تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہو تو وحی بھیجے اور جب وہ وحی نہ بھیجے تو اس کے معنیٰ یہ ہوں کہ وہ تم سے ناخوش ہے اور اس نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔اس کے علاوہ دوسری مناسبت اس مضمون سے اس قسم کی یہ ہے کہ جس طرح دن کی روشنی اگر مسلسل آدمی پر طاری رہے تو وہ اسے تھکا دے، اس لیے ایک وقت خاص تک دن کے روشن رہنے کے بعد رات کا آنا ضروری ہے، تاکہ

اس میں انسان کو سکون ملے۔ اسی طرح وحی کی روشنی اگر تم پر پے در پے پڑتی رہے تو تمہارے اعصاب اس کو برداشت نہ کر سکیں گے، اس لیے وقتاً فوقتاً فترۃ (نزولِ وحی کا سلسلہ رک جانے) کا ایک زمانہ بھی اللہ تعالیٰ نے مصلحت کی بنا پر رکھا ہے، تاکہ وحی کے نزول سے جو بار تم پر پڑتا ہے اس کے اثرات زائل ہو جائیں اور تمہیں سکون حاصل ہو جائے۔ گویا آفتاب وحی کا طلوع بمنزلہ روز روشن ہے اور زمانہ فترۃ بمنزلۂ سکونِ شب۔'' ۴؎

مولانا مودودیؒ کی تحریروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان میں شستگی، مقصدیت، جامعیت، استدلال، معقولیت، منطقی ربط، سنجیدگی، متانت، گہرائی، عزم و حوصلہ اور فکری ہم آہنگی جیسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ یہی وہ مؤثر اور دل نشین انداز بیان ہے جو عوام و خواص کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

تفہیم القرآن جس طرح اردو ادب کی شاہ کار تفسیر ہے اسی طرح فی ظلال القرآن عربی ادب کی شاہ کار تفسیر مانی جاتی ہے۔ دونوں کے اسلوب میں اعلیٰ درجہ کا کمال نظر آتا ہے۔ سید قطب شہیدؒ جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، خواہ دینی ہو یا فقہی، سیاسی ہو یا سماجی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ادب و بلاغت کے پھول جھڑ رہے ہیں، شیرینی اور اثر آفرینی دامنِ دل کو کھینچے لے رہی ہے اور قرآن دل و دماغ پر نشہ بن کر چھاتا جاتا ہے۔ ایک طرف مصنف نے اپنی تفسیر کو ادبی پیراہن عطا کیا ہے تو دوسری طرف قرآن کے ادبی و فنی محاسن بھی نہایت مہارت و عمدگی سے واضح کر دیے ہیں۔ سید قطبؒ قرآنی آیات کی ادبیت، بلاغت اور حسن اسالیب کی وضاحت کے ساتھ ان کے آہنگ کی نغمگی و ترنم اور موسیقی پر بھی قیمتی بحثیں کرتے اور مضامین آیت سے اس کے تعلق کو واضح کرتے ہیں۔ قرآنی اعجاز کو وہی لوگ اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں جو قرآنی ادب کی باریکیوں کو سمجھنے کے ساتھ کائنات میں خدائی حسن و جمال کے جلوؤں اور ذوق و وجدان کی تسکین کے سامانوں سے بھی دل چسپی رکھتے ہوں۔ مصنف نے اس تفسیر میں

عام مخاطب اور قاری کو ان تمام پہلوؤں سے آشنا کرانے کے لیے قیمتی بحثیں کی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ الضحیٰ کی تفسیر میں سید قطبؒ نے لکھا ہے:

''یہ سورہ اپنے موضوع ،اپنے طرز تعبیر ،اپنے مناظر ،اپنے معانی اور اپنے آہنگ کے پہلو سے شفقت ورحمت کے جھونکے، محبت کے پیغام اور ایک غم گسار ہاتھ کی حیثیت رکھتی ہے، مصائب وآلام کی تکلیف کو دور کرتی ،رحمت، رضا، اور امید کی ہوائیں چلاتی اور یقین ،طمانینت اور ٹھنڈک کو دلوں میں انڈیلتی ہے!

یہ پوری سورہ خالصۃً رسول اللہ کے لیے ہے۔ پوری سورت آپ کے لیے آپ کے رب کی سرگوشی اور پیام کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں آپ کے لیے تسلی اور راحت وطمانینت کا سامان ہے۔ پوری سورۃ رحمت کا جھونکا، محبت کی شبنم، قربت کی الطاف وعنایات اور پریشان اور تھکی روح اور غم زدہ اور مضطراب دل کے لیے سکون وراحت کا سامان ہے۔

وحی، حضرت جبرئیلؑ سے ملاقات اور اللہ سے ربط وتعلق ، یہ چیزیں راہِ حق کی مشقتوں میں آپ کے لیے زادِراہ، کفر وانکار کی شدید گرمی میں تشنگی رفع کرنے کا سامان اور تکذیب کی شدت وتکلیف میں آپ کے لیے سامانِ راحت کی حیثیت رکھتی تھیں۔ انہی طاقتوں کے سہارے آپ نفرت، مخالفت اور عداوت کی شدت اور سرکش اور ظالم مشرکین کی سازشوں، مخالفانہ تدبیروں اور اذیت رسانیوں کی شدید گرم اور جلانے اور جھلسانے والی دوپہر میں زندہ اور ثابت قدم رہتے تھے۔

وحی رک گئی تو آپ کا زادراہ ختم ہوگیا، زندگی کے سرچشمہ سے آپ محروم ہو گئے اور آپ کا دل محبوب کے سلسلہ میں پریشان رہنے لگا اور آپ نفرت ومخالفت کی اس جھلسا دینے والی دوپہر میں کسی زادِراہ، تشنگی دور کرنے کے کسی سامان اور محبوب دوست کی اس خوشبو کے بغیر، جس کے آپ خوگر تھے، تن تنہا ، بے یارو مددگار رہ گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ معاملہ تمام پہلوؤں سے آپ کے لیے شدید ترین اور ناقابل برداشت تھا۔

تب یہ سورہ نازل ہوئی اور اس نے دوستی، محبت، انس، قربت، امید، رضا، طمانینت، اور یقین کی یہ بارش برسائی۔ ۵؎

مصنف کے بھائی استاذ محمد قطب نے تفسیر کے تیسویں پارہ کے انگریزی ترجمہ کا مقدمہ لکھتے ہوئے ان ادبی خصوصیات کی طرف بطور خاص توجہ دلائی اور آخر میں بڑے وثوق سے فرمایا ہے:

''ان (مصنف) کی زندگی کا آخری دور اس شدید جدوجہد کے لیے وقف تھا جس میں وہ پوری طرح محو ہو گئے تھے۔ اسلام کے عظیم مقصد کی خاطر انہوں نے اپنے افکار، اپنے احساسات، اپنے راتوں اور دنوں اور درحقیقت اپنی پوری زندگی کو وقف کر دیا تھا۔ لیکن کیا انہوں نے ادب اور آرٹ کے سلسلہ کے اپنے احساسات کو بھی خیرباد کہہ دیا تھا جو زندگی کے اولین دور میں ان پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے؟ نہیں۔ قرآن، جس کے زیر سایہ مصنف نے زندگی بسر کی، خود اپنے اعلیٰ اسلوب کے لیے، جو سب سے عمدہ و فائق ہے، معروف و ممتاز ہے۔''

سید قطبؒ کے بلند اسلوب کو ان کی عربی تحریروں کے ذریعہ ہی سمجھا جا سکتا ہے اور ان سے محظوظ ہوا جا سکتا ہے، کیوں کہ مصنف جدید عربی ادب کے ناقد اور ادیب تھے اور 'فی ظلال القرآن' میں ان کا یہ ادب پورے شباب پر ہے۔ اس لیے مصنف کا زور بیان اردو میں منتقل کرنا بہت دشوار ہے۔ پھر عربی میں مترادفات کے استعمال اور الفاظ و جملوں کا باہم مسلسل ربط کچھ ایسا ہوتا ہے کہ اردو زبان اس کے سامنے تنگ دامنی کا شکوہ کر کے رہ جاتی ہے۔

نظم و ربط کا التزام

تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن دونوں میں نظم و ربط کا التزام پایا جاتا ہے، جب کہ دوسرے بعض مفسرین نے ربط و نظام کے سلسلے میں اعتراضات کیے ہیں کہ قرآن کی سورتوں میں کوئی منصوبہ بند وحدت نہیں ہے، کہیں نبی اور اصحاب نبی پر گفتگو ہوئی ہے، کہیں اقوام ماضی کی داستان دہرائی گئی ہے، کہیں احکام شرائع کی تفصیلات ہیں

اور کہیں اخلاقیات و عقائد کی تعلیم ہے۔ اس طرح پورے قرآن میں حسب ضرورت مختلف چیزوں کا بیان ہوا ہے۔ نہ ایک سورہ کا دوسری سورہ سے کوئی تعلق ہے نہ ایک سورہ کی مختلف آیات میں باہم کوئی مناسبت اور موافقت ہے۔۶؎

مولانا مودودیؒ اور سید قطبؒ دونوں نظم کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کو کی بھرپور وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے: (۱) قرآن کا کلّی نظم، (۲) سورتوں کا اندرونی نظم، (۳) سورتوں کا باہمی نظم۔ ذیل میں تینوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

قرآن کا کلّی نظم

مولانا مودودیؒ کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں از اول تا آخر نظم پایا جاتا ہے، جس کو کلّی نظم (سورۂ فاتحہ سے سورۂ الناس تک) کہا جاتا ہے۔ اس کا ذکر انھوں نے دو جگہ فرمایا ہے: پہلے سورۂ فاتحہ کے آخر میں اور دوسری بار سورۃ الناس کے خاتمے پر۔ سورۂ فاتحہ کے دیباچے کے آخر میں فرماتے ہیں:

> ''اس مضمون کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن اور سورۂ فاتحہ کے درمیان حقیقی تعلق کتاب اور اس کے مقدمہ کا سا نہیں، بلکہ دعا اور جوابِ دعا کا سا ہے۔ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے بندے کی جانب سے اور قرآن اس کا جواب ہے خدا کی جانب سے۔ بندہ دعا کرتا ہے کہ اے پروردگار! میری رہ نمائی کر۔ جواب میں پروردگار پورا قرآن اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ ہے وہ ہدایت اور رہ نمائی جس کی درخواست تو نے مجھ سے کی ہے۔''۷؎

اس اقتباس میں مولانا مودودیؒ کے الفاظ 'پورا قرآن' قابل توجہ ہیں۔ گویا ان کے نزدیک پورا قرآن بہ الفاظ دیگر قرآن میں بیان کردہ ساری تفصیلات، خواہ ان کا تعلق اقوام سے ہو یا افراد سے، مقامات سے ہو یا واقعات سے، احکام سے ہو یا عبادات سے، سب ہدایت اور راہ نمائی ہیں۔

اسی طرح مولانا مودودیؒ نے سورۂ الفلق اور سورۂ الناس کے مشترکہ مقدمہ

کے آخر میں لکھا ہے:

''آخری چیز جو معوذتین کے بارے میں قابل توجہ ہے وہ قرآن کے آغاز و اختتام کی مناسبت ہے۔ اگرچہ قرآن مجید ترتیبِ نزول پر مرتب نہیں کیا گیا ہے، مگر ۲۳ سال کے دوران میں مختلف حالات اور مواقع اور ضروریات کے لحاظ سے نازل ہونے والی آیات اور سورتوں کو رسول اللہ ﷺ نے بطور خود نہیں، بلکہ ان کے نازل کرنے والے کے حکم سے، اس شکل میں مرتب فرمایا جس میں ہم اب اس کو پاتے ہیں۔ اس ترتیب کے لحاظ سے قرآن کا آغاز سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے اور اختتام معوذتین پر۔ اب ذرا دونوں پر ایک نگاہ ڈالیے۔ آغاز میں اللہ رب العالمین، رحمان و رحیم، مالک یوم الدین کی حمد و ثنا کر کے بندہ عرض کرتا ہے کہ آپ ہی کی میں بندگی کرتا ہوں اور آپ ہی سے مدد چاہتا ہوں اور سب سے بڑی مدد جو مجھے درکار ہے وہ یہ ہے کہ مجھے سیدھا راستہ بتائیے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدھا راستہ دکھانے کے لیے اسے پورا قرآن دیا جاتا ہے اور اس کو ختم اس بات پر کیا جاتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے، جو رب الفلق، رب الناس، ملک الناس اور الہ الناس ہے، عرض کرتا ہے کہ میں ہر مخلوق کے ہر فتنے اور شر سے محفوظ رہنے کے لیے آپ ہی کی پناہ لیتا ہوں اور خصوصیت کے ساتھ شیاطین جن و انس کے وسوسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، کیوں کہ راہِ راست کی پیروی میں وہی سب سے زیادہ مانع ہوتے ہیں۔ اس آغاز کے ساتھ یہ اختتام جو مناسبت رکھتا ہے وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔'' ۸؎

فی ظلال القرآن میں بھی یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ دونوں تفسیروں میں بعض جگہ بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ اندازِ بیان، طرزِ تحریر اور مضامین وغیرہ میں وہ تفہیم القرآن کے مشابہ نظر آتی ہے، لیکن تفہیم القرآن میں جس وضاحت کے ساتھ نظم و ربط کا بیان ہے، اس وضاحت کے ساتھ فی ظلال القرآن میں نہیں پایا جاتا۔ سید قطبؒ

نے از اول تا آخر نظم کے بارے میں بہت مختصر گفتگو کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ کے نام سے کام کا آغاز اسلامی تعلیم ہے! اس کی ہدایت نبی کریمؐ کو قرآن کی اس آیت میں کی گئی ہے جو بالاتفاق سب سے پہلے نازل ہوئی ہے، یعنی 'اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ'' (پنے رب کے نام سے پڑھو!) یہ ہدایت اسلام کے اس عظیم تصور سے پوری طرح ہم آہنگ ہے کہ **هو الاول و الاٰخر و الظاهر و الباطن** (الحدید: ۳) ''وہی سب سے پہلے ہے، وہی سب کے بعد ہے، وہی عیاں ہے اور وہی نہاں۔'' اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی موجود حقیقی ہے۔ ہر موجود اسی سے وجود اخذ کرتا ہے، جس چیز کی ابتدا ہوتی ہے اسی سے ہوتی ہے۔ اسی کے نام سے ہر ابتدا ہے اور اسی کے نام سے ہر حرکت و عمل۔

سید قطبؒ آگے بیان فرماتے ہیں کہ قرآن کے شروع میں اللہ کی صفات بیان کی گئی ہے کہ اللہ رحمان و رحیم ہے۔ یہ دونوں صفات، رحمت کے تمام معانی اور اس کی جملہ کیفیات و حالات پر حاوی ہیں۔ اس کے بعد آگے فرماتے ہیں:

> ''اللہ کے نام سے آغاز اور اس میں توحید اور خدا کی عظمت و احترام کا جو مفہوم مضمر ہے وہ اسلامی فکر کا اولین بنیادی اصول ہے۔ 'الرحمٰن' اور 'الرحیم' کی صفات رحمت کے تمام مطالب، حالات اور مواقع پر حاوی ہیں، یہ اسلامی فکر کا دوسرا بنیادی اصول ہے جن سے خدا اور بندے کے درمیان تعلق متعین ہوتا ہے!''[۱۰]

اسی طرح سید قطبؒ قرآن کی آخری سورہ الناس میں بیان فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے اپنے نبیؐ کو اولاً اور ان کے بعد تمام اہل ایمان کو اس امر کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہے کہ وہ اللہ کے آغوشِ رحمت اور اس کی پناہ گاہ میں پناہ لیں، ہر پوشیدہ و ظاہر اور ہر معلوم و نامعلوم خطرناک شئے سے بچنے کے لیے پناہ۔ یہ بات مجملاً بھی فرمائی گئی ہے اور تفصیل سے بھی بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ قرآن کے شروع اور اس کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی گئی ہے۔ سید قطبؒ خود اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''اللہ کے لیے حمد ہے ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی، اسی پر بھروسہ ہے، اسی سے توفیق ملتی ہے، اسی سے مدد چاہی جاتی ہے اور وہی مدد دینے والا ہے۔''۱۰؎

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سید قطب شہیدؒ نے نظم کو پہلی بار سورۃ الفاتحہ کے شروع میں اور دوسری بار سورۃ الناس کے خاتمے پر ثابت کیا ہے۔

سورتوں کا اندرونی نظم

مولانا مودودیؒ نے سورتوں کا اندرونی نظم بھی ثابت کیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ فرماتے ہیں کہ سورۃ البقرہ کا مرکزی مضمون (یعنی نظم) صراحتہً نہیں بیان کیا گیا ہے، لیکن تھوڑے سے غور وفکر سے آدمی اس تک بہ آسانی پہنچ سکتا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ سورۃ البقرہ میں کتاب کے ذکر کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے 'ھدی للمتقین' فرما کر واضح کر دیا ہے کہ یہ کتاب صرف ان متقین کے لیے اپنے اندر سامانِ عبرت و ہدایت رکھتی ہے جو ان چھ (۶) شرائط/صفات کے پابند ہوتے ہیں۔ انھوں نے سورۃ بقرہ کے حواشی ۳ تا ۸ میں 'شرط' کا لفظ استعمال کر کے متقین کی چھ صفات/شرائط بیان کی ہیں۔ متقین کی ضد فاسقین ہے۔ یہ اہل ایمان کے علاوہ تمام لوگ ہیں، جن میں اہل کتاب ہونے کے ناطے یہود اور نصاریٰ، پھر مشرکین، ملحدین وغیرہ شامل ہیں۔ سورۃ بقرہ یہود، ان کے انحرافات، نافرمانیوں، بد دیانتیوں اور کافرانہ چالوں کے لیے خاص ہے۔ پھر سورۃ البقرہ کے آخری رکوع کو پہلے رکوع سے جوڑ کر، یعنی ان کے درمیان نظم اور ربط و ضبط قائم کر کے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

''یہ خاتمۂ کلام ہے، اس لیے جس طرح سورت کا آغاز دین کی بنیادی تعلیمات سے کیا گیا تھا، اسی طرح سورت کو ختم کرتے ہوئے بھی ان تمام اصولی امور کو بیان کر دیا گیا ہے جن پر دینِ اسلام کی اساس قائم ہے۔ تقابل کے لیے اس سورت کے پہلے رکوع کو سامنے رکھ لیا جائے تو زیادہ مفید ہوگا۔''۱۲؎

اس طرح مولانا مودودیؒ نے نہ صرف سورۂ بقرہ کی آیات کو ایک دوسرے سے جوڑا، بلکہ اس کے آغاز واختتام میں نظم وضبط اور مناسبت پیدا کر کے پوری سورت کو ایک فکری، عقائدی اور اعمالی وحدت میں بدل دیا۔

سورتوں کا اندرونی نظم سید قطب شہیدؒ کی تفسیر میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایک طرف انھوں نے اس فکر کو لغو قرار دیا ہے، لیکن دوسری طرف آیات کی باہمی وحدت اور نسق کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر انھوں نے سورۂ اسراء کے مختلف اجزاء اور موضوعات میں ربط پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''یہ سورہ مکی ہے۔ اس کی ابتدا اللہ کی تسبیح سے ہوتی ہے اور خدا کی تحمید پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے (وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَداً (الاسراء :۵۶) یہ سورہ مختلف موضوعات پر مشتمل ہے، جن کا زیادہ حصہ عقیدہ سے متعلق ہے اور بعض چیزیں انفرادی واجتماعی آداب وقواعد سے تعلق رکھتی ہیں، جن کا مدار عقیدہ ہی پر ہے۔ اس میں بنی اسرائیل کے وہ واقعات بھی مذکور ہیں جو اس مسجد اقصیٰ سے متعلق ہیں جس کی طرف یہ سفر طے کیا گیا تھا اور قصۂ آدم و ابلیس اور تکریم انسانی سے متعلق بھی ایک حصہ ہے، لیکن سورہ کا مرکز ومحور رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور آپ کے بارے میں آپ کی قوم کا رویہ ہے۔ آپؐ جو قرآن لے کر آئے اس کا مزاج اور اس کی تعلیمات اور قوم کا انداز فکر وعمل اور اس مناسبت سے رسالت اور رسولوں کی طبیعت و افتاد، مزاج اور خوارق و معجزات سے ہٹ کر رسالتِ محمدیؐ کے اعجاز کی وجہ اور اس کے منکرین کی تباہی، معاشرہ میں ضلالت وہدایتِ انفرادی کے اصول اور اجتماعی ذمہ داریوں کی تفصیلات یہ سب بیان کی گئی ہیں، جب کہ انسانوں کے لیے معذرت کا دروازہ رسالت کے ذریعہ بند کر دیا گیا اور ان پر حجت تمام کر دی گئی، لیکن اس سورہ کے سیاق میں خدا کی تسبیح وتقدیس اور حمد و شکر کی تکرار خوب ہے۔ ابتدا ہی میں سبحٰن الذی اسریٰ کہہ کر اللہ کی تسبیح کی گئی، پھر بنی اسرئیل کو توحید کی تعلیم اس تذکیر کے ساتھ دی گئی

کہ وہ ان مسلمانوں کی اولاد میں سے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کرایا تھا اور نوحؑ شکر گزار بندے تھے" ۱۶؎

پھر مشرکین کے عقائد و اوہام کا جہاں تذکرہ ہے وہاں اللہ کی تسبیح کا بیان ہے اور یہ کہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں محوِ تسبیح ہیں، مگر وہ ان کی تسبیح نہیں سمجھ سکتے۔ جب نیک فطرت اہلِ کتاب کی اس روش کا تذکرہ ہوا ہے کہ وہ قرآن کی آیتیں سن کر منہ کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں تو ساتھ ہی پکار اٹھتے ہیں کہ "پاک ہے ہمارا رب، اس کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔ ۱۷؎

اور سورہ کا خاتمہ اس آیت پر ہوتا ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَداً وَلَمْ یَکُن لَّهُ شَرِیْکٌ فِیْ الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُن لَّهُ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیراً (بنی اسرائیل:۱۱۱)

(اور کہو تعریف ہے اس خدا کے لیے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا پشتیبان ہو، اور اس کی بڑائی بیان کرو، کمال درجے کی بڑائی.....)

گویا مصنف کے نزدیک حمد و شکر کے جذبات اس سورہ میں امنڈ رہے ہیں۔

سورتوں کا باہمی نظم

سورتوں کی ایک خاص ترتیب وحی الٰہی کے ذریعے قائم ہے۔ کسی سورت کا اس کی اگلی اور پچھلی سورت سے ربط و ضبط معلوم کرنے کو سورتوں کو باہمی نظم کہا جاتا ہے اور یہ مماثلت تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن دونوں میں پائی جاتی ہے۔

سید قطبؒ نے لکھا ہے کہ سورۂ کی فاتحہ پہلی پانچ آیات توحید، ربوبیت عامّہ، ایمان بالآخرۃ جیسے بنیادی اسلامی تصورات پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے بعد رقم طراز ہیں:

"اسلامی تصورات میں ان بنیادی کلیات کو مضبوطی سے قائم کرنے کے بعد اور اس بات کو گہرائی عطا کرنے کے بعد کہ صرف اللہ ہی کی طرف عبادت اور طلب مدد کے لیے رخ پھیرنا چاہیے، ان امور کی عملی تطبیق کی

طرف پہلا قدم اللہ سے دعا کے ذریعہ اٹھایا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی کلی اور شامل دعا ہے جو اس سورت کے مزاج اور فضا سے مناسبت رکھتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس سورت کا مزاج اور فضا سب کے سب دعا سے عبارت ہیں اور اس پر دلالت کرتے ہیں۔'' ۱۴؎

اس سے سید قطبؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کو طلبِ ہدایت کی دعا اور باقی قرآن ہدایت اور رہ نمائی سے عبارت ہے۔ یہی بات مولانا مودودیؒ نے بھی لکھی ہے۔

سورت کے موضوعات اور مطالب کے ضمن میں سید قطبؒ کہتے ہیں کہ وہ ایسے دھاگوں سے عبارت ہے جو اپنے محور سے بندھے ہوئے ہیں۔ ایک دھاگہ تو یہود، منافقین اور مشرکین کی چالوں اور سازشوں سے عبارت ہے اور دوسرا دھاگہ اسلامی جماعت کی مدینہ میں ایک ریاست کی شکل میں تاسیس اور اس کی مطلوبہ صفات جو خلافت کی امانت کو اٹھانے کے لیے مطلوب ہیں اور ان کو ان اسباب سے آگاہ کرنے سے عبارت ہے، جو یہود کے منصبِ امامت سے معزولی کا سبب بنے ہیں۔ ۱۵؎

سید قطبؒ کے بیان کردہ اس عمود اور ان موضوعات کا مولانا مودودیؒ کے بیان کردہ عمود اور نکات سے مقابلہ کیا جائے تو دونوں میں کلی مماثلت نظر آتی ہے۔

احادیث سے استدلال

تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن دونوں میں احادیث سے استدلال ملتا ہے، لیکن تفہیم القرآن کی بنسبت فی ظلال القرآن میں احادیث پر کم توجہ دی گئی ہے۔

تفہیم القرآن پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ اس میں ایک طرف تفسیر آیات کے دوران میں احادیث رسولؐ اور اقوال صحابہؓ و تابعینؒ سے استدلال کیا گیا ہے، دوسری طرف دلائل عقلیہ اور تفقہ و درایت سے بھی کام لیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مولانا مودودیؒ سورۃ المطففین: آیت ۱۴ کی تشریح میں 'دلوں پر زنگ چڑھنے کے بارے میں' لکھتے ہیں:

''جزا و سزا کو افسانہ قرار دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، لیکن جس وجہ سے یہ لوگ اسے افسانہ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جن گناہوں کا یہ

ارتکاب کرتے رہے ہیں ان کا رنگ ان کے دلوں پر پوری طرح چڑھ گیا ہے۔ اس لیے جو بات سراسر معقول ہے وہ ان کو افسانہ نظر آتی ہے۔ اس رنگ کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرلے تو وہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے، لیکن اگر وہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہی چلا جائے تو پورے دل پر وہ چھا جاتا ہے (مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، حاکم، ابن ابی حاتم، ابن حبان وغیرہ)''۶۹؎

اسی طرح سید قطب شہیدؒ فی ظلال القرآن میں لکھتے ہیں:

''کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یعنی گناہ اور معصیت کے جو کام وہ کرتے رہے تھے وہ پردہ بن کر ان کے دلوں پر پڑ گئے ہیں۔ جو ڈھٹائی اور سرکشی کے ساتھ اللہ کی نافرمانی میں منہمک رہتا ہے وہ بالآخر بے نور اور تاریک ہو جاتا ہے، اس پر ایک کثیف پردہ پڑ جاتا ہے، جو نور کو دل سے اور دل کو نور سے دور رکھتا ہے اور اس کی حس مرتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ دل کند ہو کر مر جاتا ہے۔''۷۰؎

آگے انھوں نے ابن جریر، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کی احادیث کو مختلف سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایسی مکی آیات تو بہت ہیں، جن میں اشارۃً یہ بات کہی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ اہل ایمان کے ساتھ ہے اور ان کے لیے اچھا انجام ہے۔ متعدد مکی احادیث میں بھی اس طرح کی چیزیں موجود ہیں، لیکن یہ اہلِ ایمان کی جزا کے لیے نہیں، ان کی تسلی اور تثبیتِ قلب کے لیے تھا۔ ۸۱؎

فی ظلال القرآن میں جیسا کہ عرض کیا گیا جیسا کہ عرض کیا گیا حدیث کے حوالے بہت کم ملتے ہیں، حسبِ ضرورت سید قطب احادیث کا حوالہ ضرور پیش کرتے ہیں لیکن درایت وروایت سے قطع نظر صرف ان احادیث پر اکتفا کرتے ہیں جو تفاسیر میں موجود ہیں۔

مولانا مودودیؒ نے تفسیر آیات کے باب میں سنت متواترہ کو پورا درجہ عطا کیا ہے، البتہ احادیث اور آثار صحابہؓ کے باب میں غور وخوض کا راستہ اختیار کیا ہے اور ان کی

صحت کے سلسلے میں اسناد اور متن احادیث کی تحقیق و تفتیش کی ہے۔ مولانا نے پورے ذخیرۂ حدیث سے استفادہ کیا ہے اور تفسیر آیات کے باب میں ان سے پورا فائدہ اٹھایا ہے، لیکن جو احادیث آیات سے متصادم نظر آتی ہے ان کے سلسلے میں توقف سے کام لیا ہے۔

سورہ الضحیٰ آیت ۵ 'وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيكَ رَبُّكَ فَتَرۡضَىٰ' کی تشریح میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> "ہر بعد کا دور پہلے دور سے آپؐ کے لیے بہتر ثابت ہوگا، آپ کی قوت، آپ کی عزت و شوکت اور آپ کی قدر و منزلت برابر بڑھتی چلی جائے گی اور آپ کا نفوذ و اثر پھیلتا چلا جائے گا۔ پھر یہ وعدہ صرف دنیا ہی تک محدود نہیں ہے، اس میں یہ وعدہ بھی شامل ہے کہ آخرت میں جو مرتبہ آپ کو ملے گا وہ اس مرتبے سے بھی بدر جہا بڑھ کر ہوگا جو دنیا میں آپ کو حاصل ہو گا۔ طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل میں ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش کی گئیں جو میرے بعد میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں۔ اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا کہ آخرت تمہارے لیے دنیا سے بھی بہتر ہے۔"[۱۹]

سید قطبؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعد کے دور کا تعلق اس دنیا سے ہے، اگر چہ اس میں آخرت بھی شامل ہوسکتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں سید قطبؒ نے حدیث کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

تفسیری روایات کے حوالے

مولانا مودودیؒ نے جس محنت اور تحقیق سے تفسیری روایات کے حوالے درج کیے ہیں اس سے جہاں ان کی دیدہ ریزی اور سعی و کاوش کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں ان کی یہ احتیاط بھی سامنے آتی ہے کہ وہ کلام اللہ کی ترجمانی میں جمہور اہل سنت کی روش سے کہیں بھی گریز نہیں کرتے۔ فن لغت، لغات القرآن، احکام القرآن اور اعراب القرآن کی امہات کتب سے حوالے دیتے ہیں۔ جن تفسیروں کے حوالے تفہیم القرآن میں کثرت

سے دست یاب ہیں وہ ہیں: تفسیر طبری (ابن جریر طبریؒ)،احکام القرآن (حصاصؒ)،احکام القرآن (ابن العربیؒ)، کشّاف (زمخشریؒ)،تفسیر کبیر (امام رازیؒ)، تفسیر قرطبی،تفسیر ابن کثیر ﷺ،تفسیر جلالین، روح المعانی (علامہ آلوسیؒ) معالم التنزیل (بغویؒ)،غرائب القرآن ور غائب الفرقان (نیشاپوری) مدارک التنزیل (نسفیؒ)تفسیر خازن (علاؤالدین بغدادیؒ)الاتقان فی علوم القرآن (سیوطیؒ)،البرھان فی علوم القرآن (زرکشیؒ)، مفردات (راغب اصفہانیؒ)۔ عربی تفسیروں کا سارا سرمایہ مولانا کے سامنے رہا ہے۔انھوں نے ان سب سے استفادہ کیا ہے،لیکن ان کو جوں کا توں آنکھ بند کر کے نقل نہیں کیا ہے، بلکہ ان کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لینے کے بعد وہ قرآن اور عقل سلیم کو اس کی اساس بنا کر فیصلہ کرتے ہیں۔بعض جگہ ان تفسیروں سے استفادہ کرتے وقت اختلاف بھی کرتے ہیں اور بعض جگہ تائید وتوثیق بھی کرتے ہیں۔جدید مترجمین ومفسرین میں شاہ ولی اللہؒ ،شاہ عبد القادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ،علامہ حمید الدین فراہیؒ،مولانا اشرف علی تھانویؒ،مولانا حافظ فتح محمد جالندھریؒ، مولانا محمود حسنؒ،مولانا شبیر احمد عثمانیؒ،مولانا ابوالکلام آزادؒ، وغیرہ سے وہ اپنی تفسیر میں استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔

تفہیم القرآن کی بہ نسبت فی ظلال القرآن میں تفسیروں کے حوالے بہت کم ملتے ہیں۔سید قطبؒ نے قدیم اور جدید دونوں تفسیروں کو سامنے رکھا ہے۔عربی تفاسیر میں انہوں نے تفسیر طبریؒ،تفسیر بیضاوی،مفردات القرآن اصفہانی،تفسیر کبیر رازی،تفسیر ابن کثیر،احکام القرآن (ابن العربیؒ اور ابوبکر جصاصؒ) سے استفادہ کیا ہے۔اس کے علاوہ ابن عباس،مجاہد،عطا،قتادہ وغیرہ کی روایات کو اپنی تفسیر میں شامل کیا ہے۔جدید علماء میں استاذ محمد عبدہ کو وہ مختلف جگہوں پر نقل کرتے ہیں۔بعض جگہ انہوں نے ان کے عقلی فکر اور تحریکِ عقلیت کو سراہا ہے،بعض جگہ ہمدردی کا بھی اظہار کیا ہے اور بعض جگہ ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔اعجاز القرآن کے مسئلہ پر وہ عبد القاھر جرجانی کو اہمیت دیتے ہیں اور عمومی حیثیت سے تمام علماء پر انہیں فائق قرار دیتے ہیں،لیکن آخر میں ان

پر تبصرہ یوں کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ حقیقت تک ضرور پہنچے، لیکن اس سے آشنا نہ ہو سکے۔‘۲۰؎

(جاری)

حواشی و مراجع

۱— سید قطب شہیدؒ، فی ظلال القرآن، دار احیاء الکتب العربیہ: مصر، ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء، طبع دوم، الجزء الاول، ص۶

۲— تفہیم القرآن، جلد اول، ص ۲۴

۳— سید قطبؒ، معالم فی الطریق، دار الشروق، بیروت، ۱۹۶۸ء، ص ۱۰

۴— حوالۂ سابق، ص ۳۷۱

۵— فی ظلال القرآن، پارہ عم، طبع اول، ص ۱۸۴۔ ۱۸۷

۶— ملاحظہ کیجیے: شوکانیؒ، فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر، ۱۹۶۴ء، جلد ۱، ص ۷۲۔ ۷۳

۷— تفہیم القرآن، حوالہ سابق، جلد اول، سورہ الفاتحہ، ص ۴۲

۸— حوالۂ سابق، جلد ششم، ص ۵۶۲

۹— فی ظلال القرآن، حوالہ سابق، الطبعۃ الثانیہ، الجزء الاول، سورہ فاتحہ، ص۹۔ ۱۰

۱۰— نفس مصدر، پارہ عم، سورۃ الناس، ص ۲۹۹

۱۱— تفہیم القرآن، حوالہ سابق، جلد اول، سورہ البقرہ، ص ۲۴۲

۱۲— فی ظلال القرآن، حوالہ سابق، طبع اول، الجزء الخامس عشرہ، ص ۷

۱۳۔ فی ظلال القرآن، حوالہ سابق

۱۴— فی ظلال القرآن، حوالہ سابق، الجزء الاول، ص ۲۶

۱۵— حوالہ سابق، ص ۲۸

۱۶— تفہیم القرآن، حوالہ سابق، جلد ششم، سورہ المطففین، ص ۲۸۱۔ ۲۸۲

۱۷— فی ظلال القرآن، حوالہ سابق، پارہ عم، سورہ المطففین، ص ۸۹

۱۸— نفس مصدر، پارہ عم، سورہ المطففین، ص ۸۹

۱۹— تفہیم القرآن، حوالہ سابق، جلد ششم، سورہ الضحیٰ، ص ۳۷۱۔ ۳۷۲

۲۰— سید قطب شہید، التصویر الفنی فی القرآن، ص ۳۲

مولانا ابوالکلام آزادؒ کا تصورِ حدیث

جناب مہتاب حسین شاہ

حالاتِ زندگی

مولانا آزاد کا اصل نام محی الدین احمد اور تخلص آزاد تھا۔ ۱۸۸۸ء میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں جب وہ آٹھ برس کے تھے، اپنے خاندان کے ساتھ ہندوستان آ گئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے والد مولوی خیرالدین سے حاصل کی، جو قادری و نقش بندی سلسلے کے صوفی بزرگ تھے۔ مولانا آزاد بچپن ہی سے مضبوط حافظے کے مالک اور گہرے مطالعے کے شوقین تھے۔ سولہ برس کی عمر میں انھوں نے ماہ نامہ رسالہ 'لسان الصدق' جاری کیا۔ ۱۹۱۲ء میں 'الہلال' اور ۱۹۱۵ء میں اخبار 'البلاغ' نکالا۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ انھوں نے بے شمار ادبی، سیاسی، مذہبی اور صحافتی خدمات انجام دیں۔ زندگی کا ایک عرصہ وقتاً فوقتاً قید میں گزرا۔ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے وزیرِ تعلیم مقرر ہوئے۔ ۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔ ان کی متعدد تصانیف میں تذکرہ، قول فیصل، ترجمان القرآن، غبار خاطر، انسانیت موت کے دروازے پر، آزاد کی کہانی (خودنوشت) اور India wins freedom کے علاوہ ان کے خطوط، مقالات اور مضامین کے متعدد مجموعے شامل ہیں۔

انکارِ حدیث کا الزام

بعض حضرات نے مولانا ابوالکلام آزاد پر انکارِ حدیث کا الزام لگایا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ان کے مضامین اور تحریریں قرآنی آیات اور احادیث سے مزین ہوتی تھیں۔ الہلال اور البلاغ کے صفحات اس کا بیّن ثبوت ہیں۔ اس الزام کی

تردید کرتے ہوئے مولانا عبدالرشید عراقی نے لکھا ہے:

''مولانا کے بارے میں بعض حضرات نے یہ شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ حدیث کے بارے میں آپ کا نظریہ سلف صالحین کے مطابق نہیں تھا۔ یہ صرف ان کے مخالفین کا ایک لایعنی پروپیگنڈہ ہے۔ اگر مولانا کی تصانیف اور خاص کر ان کی تفسیر ترجمان القرآن کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مولانا حدیث کے بارے میں وہی نظریہ رکھتے ہیں جو سلف صالحین کا تھا۔''[۱]

مولانا آزاد کے ایک رفیق مولانا غلام رسول مہر نے بھی اپنی تصنیف 'مولانا ابوالکلام آزاد۔ ایک نادر روزگار شخصیت' میں اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔ انھوں نے اس الزام کا جواب دینے کی کوشش کی ہے:

''مولانا کی پوری حیات دعوت ایسی مثالوں سے معمور ہے۔ یہاں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں جن کی زندگیاں علم حدیث پڑھانے میں بسر ہوئیں اور انہوں نے اس وسیع سرزمین میں یہ علم ازسرنو زندہ کیا جو دین کے اہم ماخذ میں سے ہے۔ لیکن نئے تعلیم یافتہ طبقہ میں حدیث کی عظمت و اہمیت پیدا کرنے کا جو اہم کام مولانا نے انجام دیا، اس میں کوئی ان کا شریک و سہیم نہیں۔ الہلال اور البلاغ کی جلدوں میں سیکڑوں مضمون مل جائیں گے جو حدیث کی شرح کے حامل ہیں اور یہ شرح ایسے دل آویز انداز میں کی گئی ہے کہ پڑھتے ہی ہر شخص کے دل میں اتر جاتی ہیں۔ لیکن ناقدر شناس کی عجوبہ گری ملاحظہ ہو کہ اسی شخصیت پر اس سلسلے میں تشکیک کا الزام لگایا جائے۔''[۲]

مولانا عبدالمجید سوہدروی لکھتے ہیں کہ ایک بار ایک مجلس میں حدیث وسنت کے بارے میں استفسار ہوا کہ حدیث وسنت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ مولانا نے جواب دیا:

''آپ پوچھتے ہیں: احادیث کے بارے میرا کیا عقیدہ ہے؟ میں آپ کو کیا جواب دوں؟ یہ سوال آپ اس شخص سے کر رہے ہیں جو اپنی

تحریرات میں نہ صرف حدیث کو حجت اور واجب العمل ثابت کر چکا ہے، بلکہ جس کو اس فہم کی توفیق ملی ہے کہ **ویعلمھم الکتاب والحکمۃ** میں حکمت سے مقصود سنت ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جس کی تمام قلمی جدو جہد یکسر دعوت اتباع کتاب وسنت پر مبنی رہی ہے اور جس کے عقیدہ میں کتاب کا ہر وہ اتباع، اتباع ہی نہیں جو سنت کے اتباع سے خالی ہو۔'' ۳؎

ذیل میں مولانا آزاد کی تحریروں کی روشنی میں حدیث وسنت کے بارے میں ان کے تصورات پر اظہارِ خیال کیا جائے گا۔

عقائد وایمانیات کے لیے صرف قرآن کافی ہے

مولانا آزاد عقائد وایمانیات کے باب میں قرآن کو کافی سمجھتے تھے، اس وجہ سے کچھ لوگوں کو یہ خیال گزرا کہ وہ حدیث کی حجیت کے قائل نہیں ہیں۔ مولانا ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اگر آپ طالبِ حقیقت ہیں تو ان جھگڑوں میں نہ پڑیے، نہ ان خرافات کے بارے میں سوالات کیجیے۔ ہمیں تلاش نجات کی ہے۔ اگر نجات کے لیے قرآن کامل ہے تو پھر وہ عقائد کافی ہیں جو قرآن نے بتلا دیے ہیں۔ زیادہ کاوش میں پڑیں ہی کیوں؟'' ۴؎

شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۲ء میں الہلال نکلا تو ۸ ستمبر کے اداریہ میں مولانا آزاد نے لکھا:

''ہمارے پاس اگر کچھ ہے تو صرف قرآن ہی ہے۔ اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔۔۔۔۔۔۔ ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا اور کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو، کفر صریح ہے۔'' ۵؎

الہلال میں ہی انھوں نے لکھا ہے:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان کسی عمل واعتقاد کے لیے بھی اس کتاب کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا راہ نما بنائے وہ مسلم نہیں، بلکہ شرک فی الصفات کی طرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم ہے اور اس

لیے مشرک ہے۔"۶؎

ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

"میں اعتقاداً توحید و رسالت اور عمل صالح کو نجات کے لیے کافی سمجھتا ہوں، اس کے سوا مجھے اور کچھ معلوم نہیں۔ قرآن کریم مسلمانوں کا حقیقی امام ہے۔ وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ۔" ۷؎

مولانا آزاد کے دو خطوط سید فضل شاہ کے نام 'زمیندار لاہور' مؤرخہ ۵/جون ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئے، جن میں نزول مسیحؑ کے متعلق سوال پر انھوں نے اس کا انکار کیا اور لکھا کہ کسی نئے ظہور پر ایمان قرآن سے ثابت نہیں اور جو عقیدہ قرآن میں نہیں، وہ شرطِ ایمان نہیں۔

افضل حق قرشی مولانا کے ایک خط کا ذکر کرتے ہیں، جس میں مولانا نے لکھا تھا:

۱۔ اس تیرہ سو برس میں، جو اسلام پر گزر چکے ہیں، کسی اسلامی فرقہ کا یہ عقیدہ نہیں رہا کہ اسلامی عقائد و اعمال کی تعلیم میں قرآن کافی نہیں اور احادیث اس بارے میں کوئی مزید بات بتلاتی ہیں۔ البتہ احادیث سے قرآن کی شرح و تفسیر کا کام لیا جاتا ہے، نیز ظہورِ اسلام کے عہد کی تاریخ معلوم کرنے کا۔

۲۔ مسلمانوں میں کسی فرقہ کا یہ اعتقاد نہیں رہا کہ احادیث یکسر غلط ہیں۔ البتہ حال میں بعض اشخاص نے اس قسم کے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ ان افراد کے خیالات کو کسی فرقہ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ اگر ایک انسان طالبِ حق ہے تو اسے چاہیے کہ قرآن کا مطالعہ کرے۔ جو انسان ان عقائد و اعمال کا پابند ہو جائے، جو قرآن نے بتلائے ہیں وہ مسلم، مومن، نجات یافتہ انسان ہے، اگرچہ اس نے حدیث کی کوئی کتاب نہ دیکھی ہو، یا ساری عمر میں ایک حدیث بھی نہ سنی ہو۔" ۸؎

سیرت کا مآخذ قرآن کریم ہے

قرآن کریم میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کو عملی جامہ پہنایا جائے تو وہ

رسول کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ بن جاتی ہے۔ قرآن وہ اولین مآخذ ہے جس سے سیرتِ نبوی کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ سیرتِ مطہرہ کے بیش تر واقعات پر قرآن مجید نے گفتگو کی ہے۔ چوں کہ قرآن اس روئے زمین پر سب سے معتمد کتاب ہے۔ اگرچہ حالات نبوی تفصیلاً ذکر نہیں کیے گئے، بلکہ اجمال سے کام لیا گیا ہے، لیکن یہ کتاب سیرتِ نبوی کا اولین اور معتمد ترین مآخذ سمجھی جائے گی۔

مولانا آزاد قرآن سے سیرت مطہرہ کے اخذ و استنباط کے لیے کوشاں تھے اور حیران تھے کہ قدما نے اس جانب توجہ کیوں نہ دی؟ جب کہ محفوظ، لاریب اور مستند ترین ذریعہ کلام الٰہی ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''اگر تاریخ شریعت کے تمام وسائل معدوم ہو جائیں اور روایت و حکایت کے تمام صحائف سے قطع نظر کر لیا جائے، جب بھی صاحبِ شریعت کے وجود و سیرت کی تاریخی حقیقت اُسی طرح روشن و بین باقی رہے گی، جس طرح تاریخ و روایت کے دفاتر میں ہے اور اگر دنیا چاہے تو اس کی پوری سوانح عمری اور تاریخ حیات صرف ایک کتاب اللہ کی لوحِ محفوظ اور کتاب قیم ہی سے بلا ایک نقطہ کی فروگذاشت کے مرتب کر لے۔''۹

'تذکرہ' میں لکھتے ہیں:

> ''نہ صرف اس عہد میں، بلکہ جب تک دنیا باقی ہے، صاحب قرآن کی سیرت و حیات مقدس کے مطالعے سے بڑھ کر نوع انسانی کے تمام امراض قلوب و علل ارواح کا کوئی اور علاج نہیں۔ اسلام کا دائمی معجزہ اور ہمیشگی کی حجۃ اللہ البالغہ قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن کی سیرت ہے اور دراصل قرآن اور حیات نبوت معناً ایک ہی ہیں۔ قرآن متن ہے اور سیرت اس کی شرح۔ قرآن علم ہے اور سیرت اس کا عمل۔ قرآن صفحات و قراطیس ما بین الدفتین اور صدور الذین اوتوا العلم میں ہے اور یہ ایک مجسّم و ممثّل قرآن تھا جو یثرب کی سرزمین میں چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ کما قالت الصدیقۃ رضی اللہ عنہا: و کان خلقہ القرآن۔''۱۰

سیرت کے ذخیرے میں اس نوع کی کچھ کتابیں ملتی ہیں، جیسے ماضی قریب میں مولانا عبدالشکور لکھنویؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے قرآنی سیرتِ نبویہ پر بہت اچھا کام کیا ہے۔اس کے علاوہ علامہ عنایت اللہ مشرقی کی کتاب 'تکملہ' اور غلام احمد پرویز کی کتاب 'معراجِ انسانیت' بھی قرآنی سیرتِ نبوی کے سلسلہ کی اپنی سی کوشش ہے۔

مولانا آزادؒ نے علامہ شبلی نعمانیؒ کو مشورہ دیا تھا کہ قرآن کی روشنی میں سیرت پر لکھیں۔اس کا عنوان ہو 'قرآن اور سیرتِ محمدیہ' اور اس میں صرف آیاتِ قرآنیہ کو بہ ربط وترتیب جمع کر کے دکھلایا جائے۔ قرآن مجید سے کس طرح سیرتِ نبوی مستنبط کی جاسکتی ہے؟اس پر مولانا آزاد نے ان الفاظ میں اظہارِ خیال کیا ہے:

> ''قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جو ہر سوال کا جواب دیتی ہے کہ اِس کا لانے والا کون تھا؟ کیسے زمانے میں آیا؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اس کے خویش وبیگانہ کیسے تھے؟ قوم ومزبوم کا کیا حال تھا؟اس نے کیسی زندگی بسر کی؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیا نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اُس کی باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہوتے تھے اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں؟ اس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات اور حوادث پیش آئے؟ پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیاوالوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا؟ اِس دنیا پر جب پہلی نظر ڈالی تھی تو دنیا کا کیا حال تھا؟ اور جب واپس نظرِ وداع ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی؟ غرض ایک وجود، مقاصدِ وجود اور اعلام صداقت وعظمت کے لیے اس کے وقائع میں جن جن باتوں کی ضرورت ہوسکتی ہے، وہ سب کچھ قرآن ہی کی زبانی دنیا معلوم کرسکتی ہے۔''[۱۱]

مولانا ابوالکلام آزاد قرآن سے ماخوذ سیرت نگاری سے اسلاف کی عدم توجہی پر متعجب ہیں اور قرآنی سیرت اور روایتی سیرت کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''انسانوں کی دی ہوئی ساری سیرتیں اور تاریخیں ایک طرف اور خود لسانِ الٰہی کا ایک کلمہ منطوقہ ومحفوظہ ایک طرف۔تعجب ہے کہ اصحابِ سیر نے باوجود سعی ونظر اور مشغولیت بہ جمیع طرق وترتیباتِ سیرت اس

طرف کیوں توجہ نہ کی؟'' ۱۲؎

عبادات ومعاشرت کے لیے سُنت کی حجیت

رسول اکرم ﷺ معلّم کتاب وحکمت ہیں۔امت کے معاملات اور قضیوں میں آپ کی حیثیت حکم کی ہے۔آپؐ کی ذات قدسی صفات میں ہر مومن کے لیے اسوۂ حسنہ ہے اور آپؐ کی اتباع سب پر فرض ہے تو کسی مسلمان کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ آپؐ کی سیرت اور سنتِ مطہرہ سے بے اعتنائی برتے یا اسے نہ مانے۔مولانا آزاد یقینیات وعقائد کی بنیاد واصل صرف قرآن کو مانتے تھے،لیکن عبادات کے لیے سنت کو لازمی قرار دیتے تھے۔انھوں نے لکھا ہے:

''اصل مرکز حق ویقین کتاب وسنت ہے۔یہ مرکز اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا، سب کو اس کی خاطر اپنی جگہ سے ہل جانا پڑے گا۔اس چوکھٹ کو کسی کی خاطر نہیں چھوڑا جا سکتا،سب کی چوکھٹیں اس کی خاطر چھوڑ دینی پڑیں گی۔'' ۱۳؎

وہ کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کو قرآن وسنت کے فیصلے کے آگے جھک جانا چاہیے اور اس سے فرار کے بہانے تلاش نہیں کرنے چاہییں:

''جب قرآن وسنت کا کوئی فیصلہ مسلمانوں کے سامنے آجائے تو انہیں فوراً **سمعنا و اطعنا** کہہ کر اس کے آگے جھک جانا چاہیے اور سارے حیلوں اور حجتوں کا خاتمہ ہوجانا چاہیے۔'' ۱۴؎

وہ کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی کے ساتھ نبی کا عملی نمونہ شریعت کا ایک لازمی جزو ہے:

'' اللہ نے ہدایتِ خلق کے لیے صرف کتابوں اور شریعتوں ہی کو نہیں بھیجا، بلکہ اس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کا عملی نمونہ بھی دکھلایا۔'' ۱۵؎

''سعادت وہدایت انسانی کے لیے تعلیم کے ساتھ نمونہ اور کتاب کے ساتھ سنت ایک ضروری حقیقت ہے۔'' ۱۶؎

احادیث کی حیثیت تاریخی ہے نہ کہ قانونی

مولانا آزاد احادیث کو دینی علوم ومعارف کا ذخیرہ مانتے ہیں۔لیکن وہ انھیں

وحی کا درجہ نہیں دیتے اور اس کی قانونی حیثیت تسلیم نہیں کرتے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''حدیث صحیح عبادات میں تو حجت ہے۔ اخلاق و معاشرت کے سلسلے کی احادیث ایسی ہیں کہ ساری دنیا کا لٹریچر ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اگرچہ حدیث انسانی سوسائٹی کے لیے قانون کا سوتا نہیں ہوسکتی، عالم گیر ہدایت کا ضامن قرآن ہے۔'' ۱۷؎

مزید لکھتے ہیں:

''پیغمبرِ اسلام تیئس (۲۳) برس تک دعوت اسلام میں مشغول رہے۔ ان کی اس مبارک زندگی کے تمام اقوال و اعمال راویوں نے محفوظ رکھنا چاہے اور ان کے ذخیرے مدون ہوگئے۔ یہ تدوینات اسلام کے دینی علوم و معارف کا ذخیرہ ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دینی و علمی حیثیت سے ان کی جگہ کیا ہے؟ کیا یہ یک قلم لائق اعتبار نہیں؟ کیا ان میں اور قرآن میں تضاد ہے؟ اس سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ایسا نہیں ہے۔ احادیث اپنی جگہ رکھتی ہیں اور اس جگہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن حَکم تھا اور پیغمبرِ اسلام اس کی مجسم تعمیل تھے۔ پس ان کے تمام اعمال و ارشادات قرآن سے الگ کوئی چیز نہیں ہیں، اس کی نمائش ہیں یا اس کے اجمال کی تفصیل ہے۔'' ۱۸؎

احادیث کو عہد نبوی ﷺ کی معتبر اور مستند تاریخ سمجھنے میں مولانا آزاد اکیلے نہیں ہیں، بلکہ بعض اور بھی اہل علم کی یہ رائے ہے۔ مثال کے طور پر مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

''فن حدیث کے سب سے بڑے امام، امام الائمہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا ہے اگر اسی پر غور کرلیا جائے تو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ سمجھنے والوں نے ہمیشہ اس فن کو اسی نگاہ سے دیکھا ہے۔ امام بخاریؒ کی کتاب آج تو صرف بخاری شریف کے نام سے مشہور ہے، لیکن یہ اس کتاب کا نام نہیں ہے، بلکہ خود حضرت امام نے اپنی کتاب کا نام: 'الجامع

الصحیح المسند المختصر من آمور رسول اللہ وسننہ وآیامہ' رکھا ہے۔ اس میں امور اور ایام کے الفاظ قابل غور ہیں، جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی صحیح تعریف امام بخاری کے نزدیک ان تمام امور کو حاوی ہے جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے آں حضرت ﷺ سے تعلق ہو۔ آگے ایام کے لفظ نے تو اس تعریف کو اور بھی وسیع کر دیا ہے۔ یعنی وہی بات جو میں نے عرض کی تھی کہ فن حدیث دراصل اس عہد اور زمانہ کی تاریخ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ جیسی ہمہ گیر، تمام عالم پر اثر انداز ہونے والی ہستی، انسانیت کو قدرت کی جانب سے عطا ہوئی۔ بہر کیف اگر اسطلاحی جھگڑوں سے الگ ہو کر پھل سے درخت کو پہچاننے کے اصول کو مدنظر رکھا جائے تو حدیث کے موجودہ ذخیرہ پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد بھی ایک معمولی آدمی اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ حدیث کی صحیح حقیقت اور اس کی تعریف وہی ہو سکتی ہے جس کی طرف امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کے نام میں ارشاد فرمایا ہے۔''۱۹؎

قبولِ حدیث کا درایتی معیار

حدیث کو پرکھنے کا پہلا معیار روایتی ہے، جس میں اصل بحث راوی کی شخصیت، سند کے اتصال، روایت کے طریقوں اور اس کی مختلف سندوں سے ہوتی ہے، جب کہ دوسرا معیار متن کو جانچنے کا ہے، جو درایت کہلاتا ہے۔ اس میں مذکورہ امور سے ہٹ کر دیگر عقلی قرائن کی روشنی میں متنِ روایت کی صحت واستناد کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ گویا درایت سے مراد ایسے قرائن کا علم اور اطلاق ہے جن کا لحاظ رکھنا، قرآن، عقلِ عام اور روزمرہ انسانی تجربات ومشاہدات کی روشنی میں، کسی بھی خبر کا مقام متعین کرنے کے لیے ضروری ہے۔ درایت کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ سے نقل کردہ روایات کو جانچنے کے طریقے کی ابتدا صحابۂ کرام ہی کے عہد میں ہو چکی تھی۔ ان کے ہاں قبولِ روایت کی شرائط میں سے ایک بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ کتاب اللہ اور اصولِ شرع کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ اگر کوئی ایسی روایت ان کے سامنے آتی جو ان کے علم وفہم کے مطابق کتاب اللہ یا

سنت سے ٹکراتی تو وہ اسے راوی کی کم فہمی پر محمول کرتے تھے۔ مولانا آزاد درایتی اصول کو اہمیت دیتے ہیں اور اس کے متعلق فرماتے ہیں:

''البتہ اس بارے میں افراط وتفریط نہیں ہونی چاہیے۔ جو حدیث روایت و درایت کے لحاظ سے مقبول ہو، قبول کرنی چاہیے۔ جو اس معیار پر پوری نہ اترے، رد کر دینی چاہیے۔ نیز یہ کہ ہر حال میں ردوقبول کا معیار قرآن ہے۔ کوئی روایت جو اس سے معارض ہوگی کسی حال میں قبول نہیں کی جاسکتی۔ اگرچہ اس کی اسناد کتنی عمدہ مان لی گئی ہوں۔'' ۲۰؎

درایت کا بنیادی اصول۔ حدیث کو قرآن کی روشنی میں پرکھنا

مولانا آزاد کے نزدیک اصل کسوٹی، فرقان اور میزان صرف اللہ کی کتاب ہے۔ قرآن کی مخالفت کرنے والی صحیح ترین روایت بھی جھٹلانی پڑے گی، کیوں کہ وہ صحیح ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں، لیکن بہرحال غیر معصوم انسانوں کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے۔ ایسا فیصلہ ہر بات کے لیے مفید حجت ہوسکتا ہے، مگر یقینیات وقطعیات کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ جب کبھی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیات سے معارض ہوجائے گی تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی، غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی۔'' ۲۱؎

مزید لکھتے ہیں:

''لیکن یہ جو کچھ ہے ان کی صحت کا اعتقاد ہے، یعنی ایسی صحت کا جیسی اور جس درجہ کی صحت ایک غیر معصوم انسان کے اختیارات کی ہوسکتی ہے، عصمت کا اعتقاد نہیں ہے۔ اس لیے اگر کوئی روایتِ شاذ یقینیات قطعیہ قرآنیہ سے معارض ہوجائے گی تو ہم ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی تضعیف میں تامل نہیں کریں گے۔ کیوں کہ اصل ہر حال میں قرآن ہے، جس کا تواتر یقینی اور جس کی قطعیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ہر انسانی شہادت اس پر کسی جائے گی۔'' ۲۲؎

قرآن کو روایات کے تابع کرنا غلط ہے

مولانا آزاد کہتے ہیں کہ اب یہ روش عام ہوگئی ہے کہ روایات کو قران کی روشنی میں دیکھنے کے بجائے روایات کو قرآن پر حاکم و قاضی بنایا جاتا ہے اور قرآن کے مطالب کو روایات کے تابع کیا جاتا ہے۔ان کے نزدیک روایات کی کیا حیثیت ہے؟ اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے بہ خوبی کیا جاسکتا ہے:

> ''روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو، بہرحال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کے لیے بھی یقینیات دینیہ کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ ہمیں مان لینا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہوسکتا۔ یقینا یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے اور ایسا مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شق ہوجائے گی۔''۲۳

معصوم انبیاء کی عصمت و صداقت کو غیر معصوم راویوں کی سنی سنائی پر قربان نہیں کرنا چاہیے۔مولانا آزاد کا خیال ہے کہ حاملین وحی معصوم ہیں،لیکن راوی ہرگز معصوم نہیں ہیں۔ان کی روایات پر معصوم انبیاء کی عصمت قربان نہیں کی جاسکتی۔چنانچہ وہ ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں:

> ''پس کہیں یہ قیامت نہ ٹوٹ پڑے کہ اس کے غیر معصوم راویوں کی روایت کم زور مان لینی پڑے۔ گویا اصل اس باب میں غیر معصوم راویوں کا تحفظ ہے، نہ کہ معصوم رسولوں کا اور اگر قرآن میں اور کسی روایت میں اختلاف واقع ہوجائے تو قرآن کو روایت کے مطابق بننا پڑے گا۔راوی کی شہادت اپنی جگہ سے کبھی نہیں ہل سکتی۔اب غور کرو، یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ خود قرآن کے صاف صاف لفظوں میں کیا ہے؟''۲۴

ایک جگہ وہ صحیح بخاری و صحیح مسلم پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''بلاشبہ روایت صحیحین کی ہے،لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی

مسلمان نے بھی راویان حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے، نہ امام بخاری وامام مسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے۔ کسی روایت کے لیے بڑی سے بڑی بات جو کہی گئی ہے وہ اس کی صحت ہے، عصمت نہیں ہے اور صحت سے مقصود صحت مصطلحہ فن ہے، نہ کہ صحت قطعی ویقینی مثل صحت قرآن۔'' ۲۵؎

نیک نیتی سے روایات سازی اور اس کا نقصان

بہت سے واعظوں اور صوفیوں نے نیکی کی طرف رغبت دلانے اور برائی سے روکنے کے لیے روایتیں گھڑیں۔ مولانا آزاد نے اس رویے پر سخت تنقید کی ہے۔ کہتے ہیں:

''فن روایت کی گہرائیوں کا کچھ عجیب حال ہے۔ نیک سے نیک انسان بھی بعض اوقات جعل وضاعت کے تقاضوں سے اپنی نگرانی نہیں کر سکتے۔ وہ اس دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ اگر کسی نیک مقصد کے لیے ایک مصلحت آمیز جعلی روایت گھڑ لی جائے تو کوئی برائی کی بات نہیں۔ تاریخ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں جن لوگوں نے بے شمار جھوٹی حدیثیں بنائیں، ان میں ایک گروہ دین دار واعظوں، مقدّس زاہدوں کا بھی تھا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ لوگوں میں دین داری اور نیک عملی کا شوق پیدا کرنے کے لیے جھوٹی حدیثیں گھڑ کر بنانا کوئی برائی کی بات نہیں۔'' ۲۶؎

روایات کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کرنا درست نہیں

قرآن لاریب اور محفوظ کتاب ہے۔ اسے سیاق وسباق کے تحت اور تصریف آیات کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے بجائے اگر قرآن کی تفسیر روایات کی روشنی میں کی جائے گی تو بہت کچھ محذوف مان کر قرآنی مدعا سے انحراف ہوسکتا ہے۔ کذبات ثلاثۃ والی روایت کے ضمن میں مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''چوں کہ ہمارے مفسروں کے سامنے ایک روایت موجود تھی اور اس کی تعمیل میں ضروری سمجھتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ کی بات بن جائے اس لیے انہوں نے کوشش کی کہ جو بات قرآن میں نہیں ہے

وہ محذوف بنا کر بڑھا دی جائے۔ چنانچہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے قول (تَاللّٰہِ لَاَکِیۡدَنَّ اَصۡنَامَکُمۡ) کو سلسلۂ بیان سے الگ کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بات انہوں نے مخاطبوں سے نہیں کہی تھی، اپنے جی میں کہی تھی، یعنی ان کا اعلان نہ تھا۔ جی ہی جی میں ایک سازش سوچی تھی، لیکن یہ محض رائے سے قرآن کے مطالب میں اضافہ کرنا ہے۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے جی میں کہا تھا۔ وہ تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ موقع مخاطبہ اور مکالمہ کا تھا اور جب پجاریوں نے یہ بات کہی کہ (اَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ اَمۡ اَنۡتَ مِنَ اللّٰعِبِیۡنَ) تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے اعلان کیا۔ علاوہ بریں اس طرح کے محذوفات جبھی تسلیم کیے جاسکتے ہیں جب کہ کوئی قطعی قرینہ موجود ہو۔ یہاں بجز اس ضرورت کے کہ حضرت ابراہیمؑ کو کذب گو بنایا جائے اور کون سی ضرورت لاحق ہوگئی ہے کہ یہ محذوف گھڑ لیا گیا؟'' ۲۷؎

حواشی و مراجع

۱۔ عبدالرشید عراقی، تذکار آزاد، نشریات، اردو بازار لاہور، ص ۱۵۴

۲۔ مہر، غلام رسول، مولانا ابوالکلام آزاد ایک نادر روزگار شخصیت، سنز لاہور، بار اول ۱۹۹۴ء، ص ۲۴۲۔ ۲۴۳

۳۔ سوہدروی، عبدالمجید خام، سیرت آزاد، مسلم پبلیکیشنز گوجرانوالا، ص ۵۶۔ ۵۷

۴۔ مہر، غلام رسول، تبرکات آزاد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، بار دوم ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۹

۵۔ شورش کاشمیری ابوالکلام آزاد سوانح و افکار، مطبوعات چٹان لاہور ص ۳۰

۶۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، الہلال کلکتہ، ج ۱، ش ۹، ص ۷

۷۔ شورش کاشمیری ابوالکلام آزاد سوانح و افکار، ص ۶۲

۸۔ افضل حق قرشی، ابوالکلام آزاد ادبی و شخصی مطالعہ، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، بار اول ۱۹۹۲ء، ص ۲۷۵

۹۔ ابوسلمان شاہجہاں پوری، فیضان ابوالکلام آزاد، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، ص ۱۴۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۳۴

۱۱۔ مہر، غلام رسول (مقالات سیرت مولانا آزاد کا مجموعہ)، رسول رحمت، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ص ۲۰

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۳

۱۳۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، تذکرہ، داتا پبلشرز لاہور، بار اول، طبع، ۱۹۸۱ء، ۵۰

۱۴۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، جلد سوم، اسلامی اکادمی لاہور، ص ۱۰۰

۱۵۔ ابوسلمان شاہجہاں پوری، فیضان ابوالکلام آزاد،، ص ۱۳۳ ۱۶۔ ایضاً،، ص ۱۳۴

۱۷۔ ملیح آبادی،، عبدالرزاق، ذکر آزاد، مکتبہ جمال لاہور، سن اشاعت ۲۰۰۶ء، ص ۲۳۳

۱۸۔ عتیق صدیقی، افکار آزاد، مولانا آزاد سیمینار جامعہ نگر نئی دہلی، ۱۹۶۹ء، ص ۸۵

۱۹۔ مناظر احسن گیلانی، تاریخ تدوین حدیث، المیز ان اردو بازار لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۳۸۳

۲۰۔ عتیق صدیقی، افکار آزاد، مولانا آزاد سیمینار جامعہ نگر نئی دہلی، سن اشاعت ۱۹۶۹ء، ص ۸۵

۲۱۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، جلد دوم، ص ۲۸۰—۲۸۱

۲۲۔ ایضاً ۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ایضاً ۲۵۔ایضاً

۲۶۔ آزاد، ابوالکلام، غبار خاطر، ساہتیہ اکیڈمی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۱۳۶

۲۷۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، جلد دوم، ص ۲۸۰—۲۸۱

توحید اور قیامِ عدل

مولانا محمد جرجیس کریمی

عقیدۂ توحید اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہوجاتی ہے۔

پیش نظر کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے، جن میں عقیدۂ توحید کی وضاحت کی گئی ہے، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال وتوازن کے اثرات بیان کیے گئے ہیں، نیز عقیدۂ توحید سے محرومی اور شرک و الحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار وخیالات پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ لیا گیا ہے۔

صفحات: ۹۲ قیمت: ۵۰/روپے

ڈاکٹر محمد رفعتؒ

ایک عزیز کی یاد، جو سب کا عزیز تھا۔

سید جلال الدین عمری

ڈاکٹر محمد رفعت ۸؍جنوری ۲۰۲۱ء کو شب کے دس بجے کئی ماہ کی علالت کے بعد اس دنیائے فانی سے عالمِ جاوداں کی طرف کوچ کر گئے اور اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔ ان کا انتقال ایک خاندان ہی کا نہیں، تحریک اسلامی ہند کا، بلکہ عالمی تحریکاتِ اسلامی کا خسارہ ہے۔ وہ صاحب علم وفضل بھی تھے اور شریعت کے بے حد پابند بھی۔ ان کی زندگی میں خلافِ شرع کوئی عمل دیکھنے میں نہیں آتا تھا۔ یہ دونوں خوبیاں اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں ہی میں جمع ہوتی ہیں۔ امید ہے، وہ بھی ان بندگانِ خاص میں ہوں گے۔

نماز جنازہ میں کثرت تعداد

مسجد اشاعت اسلام کے وسیع صحن میں بعد عشاء نمازِ جنازہ اس خاک سار نے پڑھائی۔ دل کی عجیب کیفیت تھی۔ اس وقت ایک عزیز ہی کی جدائی نہ تھی، بلکہ ایسے عزیز کی جس سے دنیائے علم کی بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔

سخت سردی میں تقریباً دو ہزار کا مجمع تھا۔ میت جب گورستان پہنچی تو مزید ہزاروں افراد کا اضافہ ہو گیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خدا ترس، سادہ مزاج انسان دلوں پر حکومت کر رہا تھا۔ اس میں کتنے ہی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوں گے۔ ان کی دعائیں اس کے لیے توشۂ آخرت ثابت ہوں گی۔ **اللھم اغفر لہ۔**

معلوم ہوا کہ حیدرآباد کے تین مقامات پر ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور بنگلور میں بھی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور تعزیتی نشست رکھی گئی۔ اس طرح ہزارہا افراد کی

دعائیں انہیں حاصل ہوئیں۔ امید ہے، وہ ان کی مغفرت اور رفع درجات کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔☆

ڈاکٹر رفعت اپنے حلقۂ احباب میں ایک ذہین فرد کا نام رہا ہے۔ ان کے حافظہ اور یادداشت کی بھی ستائش ہوتی رہی ہے۔ دورانِ تعلیم ہی سے ان کی یہ دونوں خصوصیات نمایاں تھیں۔ وہ سائنس کے طالب علم تھے۔ انگریزی زبان وادب ان کا سبجیکٹ نہ تھا۔ اپنے ذاتی ذوق اور دور جدید کے افکار کے مسلسل مطالعے سے انہیں انگریزی زبان پر اس طرح قدرت حاصل تھی جیسے یہی ان کا موضوع ہو۔ وہ بغیر کسی تکلف کے انگریزی میں اظہار خیال کرتے تھے۔

جناب سید حامد حسین صاحب مرحوم سابق معاون قیم جماعت، جو ایک وقت امیر حلقہ اتر پردیش بھی رہے، اپنے وقت کے مانے ہوئے خطیب تھے۔ ان کی تقریر بڑی مربوط اور جدید وقدیم معلومات کی حامل ہوتی۔ کسی موقع پر ان کی تقریر کے انگریزی ترجمہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مجلس میں محمد رفعت موجود تھے۔ غالباً یہ ان کے زمانۂ طالب علمی کا واقعہ ہے۔ انہوں نے ترجمہ کی خدمت انجام دی۔ ترجمہ اس قدر بھرپور، عمدہ اور نفیس تھا کہ کوئی نکتہ چھوٹنے نہیں پایا۔ اس سے دیگر اصحاب کے علاوہ خود حامد حسین صاحب بھی متاثر ہوئے۔ حامد حسین صاحب نے مجھے یہ واقعہ سنایا اور مستقبل میں ان سے بڑی توقعات کا اظہار فرمایا۔ خدا کا شکر ہے کہ رفعت نے اپنے بزرگ کی توقعات کو پورا کر دکھایا۔

ادھر کئی سال سے میرے خطابات کے انگریزی ترجمہ کی خدمت بھی وہ انجام دے رہے تھے۔ اس کے لیے وہ نوٹس نہیں لیتے تھے، بلکہ پوری تقریر ان کی یادداشت میں محفوظ ہوتی۔ ایسا بہت کم ہوا کہ کوئی نکتہ ترجمہ سے رہ گیا ہو۔

☆ رفعت کے انتقال پر ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ان کے والد بندو خاں صاحب ۷ر فروری ۲۰۲۱ء کو رحلت فرما گئے۔ تقریباً سو سال کی طویل عمر پائی۔ ادھر کئی برس سے مختلف عوارض میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور نیکیوں کو قبول فرمائے۔ رفعت سے انھیں خاص تعلق تھا۔ وہ بھی ان کا غیر معمولی احترام کرتے تھے۔

ایک اور بات یاد آ رہی ہے۔علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے بعض اسلام پسند طلبہ نے، جو اونچے درجات کے تھے، جن کے سبجیکٹ ایک دوسرے سے مختلف تھے، مجھ سے عربی پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں آمادہ ہوگیا۔ انہوں نے یونی ورسٹی کے ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ میں ایک کمرہ استعمال کرنے کی اجازت حاصل کرلی۔ بعد مغرب کلاس ہوتی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ سب طالب علم ہیں، کلاس کی حاضری اور اپنے سبجیکٹ کی تیاری آپ کے لیے ضروری ہے۔ یہاں صرف ایک گھنٹہ کا پروگرام ہوگا اور کوئی ہوم ورک نہ ہوگا۔ جو طلبہ شریکِ درس تھے ان میں رفعت سب سے آگے تھے۔ جو جملے یا صرف ونحو اور گرامر کے قواعد بتائے جاتے، وہ ان کے ذہن میں محفوظ ہوجاتے۔ دوبارہ یاددہانی کی ضرورت نہ پیش آتی۔ یہ سلسلہ چند ماہ ہی جاری رہ سکا۔ بعد میں رفعت نے خود سے اپنی عربی بہتر بنانے کی کوشش کی۔ اس سے انہیں فہم قرآن میں مدد ملی۔

ڈاکٹر رفعت کی قابلیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ میں نے خود دیکھا کہ امتحان کے ایام میں فزکس کے اپنے ہی درجہ کے طلبہ کی وہ کلاس لیتے۔ ایک استاد کی طرح امتحان کی تیاری کراتے۔ وہ کلاس میٹ کے ساتھ ان کے ٹیچر بھی تھے۔

پختہ فکر اسلامی

ڈاکٹر رفعت جماعت کے بنیادی فکر کے حامل، اس کے بہترین وکیل اور ترجمان تھے۔ وہ کسی بھی مجلس میں بے خوف اس کے اظہار کا حوصلہ رکھتے تھے۔ انہوں نے مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کی فکر کو پوری طرح جذب کیا تھا۔ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کی تحریریں بھی ان کی فکر کو مضبوط کرنے میں معاون رہی ہیں۔ البتہ اس کے حوالے ان کے مضامین میں کم نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر رفعت نے قرآن مجید کو اپنی فکر کی اساس بنایا۔ وہ ہر نکتہ پر آیاتِ قرآن کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہیں اور اس کی تشریح مولانا مودودی کی تفہیم القرآن اور مولانا کی بعض دیگر تصانیف سے کرتے ہیں۔ تفہیم القرآن کے بعد ان کے مضامین میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری حواشی کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ کہیں کہیں حضرت مولانا اشرف

علی تھانویؒ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ حدیث سے استدلال کی مثالیں ان کے یہاں کم ہیں۔ عربی مآخذ تک ان کی رسائی نہ تھی۔ ان سے استفادہ انہوں نے نہیں کیا ہے۔

وسعتِ مطالعہ

ڈاکٹر رفعت کا مطالعہ کافی وسیع تھا۔ ان کی ذاتی لائبریری میں مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا خاصا قیمتی ذخیرہ موجود ہے۔ انہوں نے اپنی علالت کے زمانہ میں بہت سی اہم کتابیں دوسروں کو دے دیں۔ ڈاکٹر رفعت نے افکارِ مغرب کا وسیع مطالعہ کیا تھا۔ وہ ان افکار سے متاثر اور مرعوب نہیں تھے۔ ان کی نظر ناقدانہ تھی۔ وہ ان کے افادی پہلوؤں سے بھی اور خامیوں سے بھی بخوبی واقف تھے اور اس کے برملا اظہار کی جرأت رکھتے تھے۔ ان کی یہ جرات فطری تھی۔ آسانی سے کسی فکر وخیال سے متاثر ہونا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ نے جس طرح مغرب کو چیلنج کیا اس سے ان کی اس جرات بے باکانہ کو تقویت حاصل ہوئی۔ انہوں نے علامہ اقبالؒ کے اردو کلام کا بار بار اور گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ بعض اوقات اس کے حوالے سے بات کرتے تھے۔ مولانا مودودیؒ کی تنقیحات اور تفہیمات جیسی تصانیف نے انہیں مغرب سے خطاب کا سلیقہ سکھایا۔

ان کا شمار ہمارے ان اصحابِ دانش میں ہوتا تھا جو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی فکری الجھنوں کو رفع کر سکتے اور دلائل سے اسلام کی حقانیت ثابت کر سکتے ہیں۔

رفعت کی ذہنی برتری کی ایک مثال یہ ہے کہ دورِ حاضر میں پوسٹ ماڈرنزم کا بڑا چرچا تھا اور اب بھی ہے۔ ہمارے بعض دوست احباب بھی اس سے متاثر تھے، حالاں کہ وہ موجودہ فکری ناکامیوں اور اس کی تباہ کاریوں کا ایک مجہول سا ردّعمل ہے۔ میں نے رفعت سے اس کا اظہار کیا تو انہوں نے اس کی تائید کی اور میرے کہنے پر ایک جامع تحقیقی مقالہ تحریر کیا، جو تحقیقات اسلامی، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ نے اپنی تصنیف 'قرآن اور علم جدید' میں ڈارون، میگڈوگل، فرائڈ، کارل مارکس اور میکاولی کو دورِ جدید کے فکری اساطین کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور قرآن مجید کی راہ نمائی فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے رفعت

سے اس کتاب کا ذکر کیا اور کہا کہ ڈارون کے نظریۂ ارتقاء سے بہت سے اسلامی دانش ور بھی متاثر ہیں اور اسے حقیقتِ واقعہ تصور کرتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے اپنے مضامین میں اور مولانا وحید الدین خاں نے اپنی کتاب 'علم جدید کا چیلنج' میں اس کی کم زوریاں واضح کی ہیں۔ میں نے کہا کہ اس کے باجود جدید معلومات اور تحقیقات کی روشنی میں اس پر مزید بحث و گفتگو کی ضرورت ہے۔ اس پر انہوں نے بہت ہی مدلّل اور بیش قیمت مقالہ سپردِ قلم کیا، جو تحقیقات اسلامی، جنوری ۔ مارچ ۲۰۲۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ فرائڈ پر بھی اسی طرح کی کوئی چیز ضبطِ تحریر میں لائیں، لیکن اللہ کی مرضی کہ اس کی نوبت نہیں آئی۔

غیر معمولی قوتِ کار

ڈاکٹر رفعت کے اندر غیر معمولی قوتِ کار تھی۔ ایسی کم ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ وہ جامعہ کی تعطیلات کا استعمال زیادہ تر جماعت کے اجتماعات کے لیے کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جامعہ میں شنبہ اور یک شنبہ دو روز کی تعطیل ہوتی ہے۔ ادھر چند سال سے ان کا معمول تھا کہ ان دو دنوں میں انہیں کسی دعوتی یا تربیتی پروگرام میں مدعو کیا جاتا تو اس میں ضرور شریک ہوتے اور ان دو دنوں میں انہیں کئی کئی تقریریں کرنی پڑتیں۔ دوشنبہ کو ان کی واپسی ہوتی تو وہ سیدھے جامعہ پہنچ جاتے اور تدریس کے فرائض انجام دیتے۔ شام کو گھر واپس لوٹتے۔ یہ پروگرام ممبئی، چنئی، بنگلور، کلکتہ، کالی کٹ جیسے دور دراز مقامات کے بھی ہوتے۔ ظاہر ہے، اس میں کھانے اور ناشتے کا کوئی اہتمام نہ ہوتا، لیکن واپسی کے بعد وہ تازہ دم ہوتے اور معمول کے مطابق ان کی مصروفیات شروع ہو جاتیں۔ ایسا محسوس ہوتا کہ انہیں سستانے یا آرام کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ انہوں نے گھر پر بھی کبھی تکان کا اظہار نہیں کیا۔

میقاتی پالیسی کی ترتیب میں شرکت

رفعت ۱۹۹۹ء میں جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ ادھر کئی میقات سے جماعت کی پالیسی اور پروگرام کی ترتیب کے لیے شوریٰ جو کمیٹی تشکیل دیتی، اس

میں وہ ضرور شامل ہوتے۔اس میں بڑی دل جمعی سے ان کی شرکت رہتی۔ شوریٰ کے اجلاسوں میں ان کا رویہ انتہائی قابلِ ستائش ہوتا۔ کسی نکتہ سے ان کو اختلاف ہوتا تو اسے دلائل سے بیان کرتے۔ اگر ان کی رائے سے مجلس کو اتفاق نہ ہو تو اس سے بد دل نہ ہوتے، بلکہ تھوڑی ہی دیر میں ایسا لطیفہ یا شگوفہ چھوڑتے جس سے مجلس زعفران زار ہوجاتی اور پھر سنجیدگی سے ایجنڈے کے دوسرے امور پر اظہارِ خیال کرنے لگتے۔ ڈاکٹر رفعت امت مسلمہ کے مقصدِ وجود اور جماعت کے نصب العین کی پرزور وکالت کرتے، لیکن موجودہ حالات میں اسلام کے لیے راہیں تلاش کرنے کی طرف ان کا ذہن نہیں جاتا تھا۔ اختلاف واتفاق کے باوجود وہ اجتماعیت اور نظم اجتماعی کی دینی اور شرعی اہمیت سے بخوبی واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب بھیڑ ریوڑ سے الگ ہوتی ہے تو آسانی سے بھیڑیے کا نوالہ بن جاتی ہے۔

ڈاکٹر رفعت کے اظہارِ خیال میں زورِ خطابت نہ ہوتا، بلکہ ان کا اندازِ بیان خنک شبنم کی طرح ہوتا۔ ان کی کوشش ہوتی کہ موضوع کے تمام جوانب زیر بحث آئیں اور ان کے حق میں دلائل فراہم کیے جائیں۔ غیر متعلق باتوں سے اجتناب کرتے۔ سوال وجواب میں بھی یہی انداز ہوتا۔

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی سے تعلق

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی تاسیس جن افراد کے ذریعہ ہوئی ان میں وہ بھی شامل تھے۔ شروع ہی سے 'خازن' کا منصب انہیں حاصل تھا، لیکن مالیات کے لیے تگ ودو ان کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتی تھی، اس لیے وہ یہ خدمت انجام نہیں دے سکے۔ البتہ ان کا فکری تعاون اسے مستقل حاصل رہا۔ اس طویل عرصہ میں شاید ہی وہ اس کے کسی اجلاس سے غیر حاضر رہے ہوں۔

علی گڑھ ان کے خاندان کا وطنِ ثانی ہے، اس لیے علی گڑھ ان کی بہ کثرت آمد ورفت رہتی۔ وہ علی گڑھ جاتے تو عموماً ادارہ پہنچتے اور وہاں کے محققین اور اسکالرس کی علمی راہ نمائی کرتے۔ وہ تصنیفی اکیڈمی کے بھی ذمہ دار تھے۔ ادارہ کے محققین کے مضامین اور تصانیف ان کی نظر ثانی کے بعد مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے شائع ہوتی رہی ہیں۔

وہ ہر کام تیزی سے کرنے کے عادی تھے۔ اس لیے ان تصانیف کی اشاعت بھی جلد ہوجاتی۔ادارہ کے لیے ان کی یہ خدمت نا قابل فراموش ہے۔

اخلاقی بلندی

رفعت سے خلقِ خدا کی محبت کی ایک وجہ ان کا اعلیٰ اخلاق تھا۔ان کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ ہوتی۔جس سے ملتے خندہ روئی اور بشاشت سے ملتے۔ وہ انتہائی منکسر المزاج اور خاک سار تھے۔کوئی بات ناگوار بھی ہوتی تو خفگی کا اظہار نہ کرتے۔ان کے سامنے غالباً یہ حدیث رہتی کہ غصہ کو پی جانا سب سے تلخ گھونٹ ہے، جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

تحریری کاوشیں

ڈاکٹر رفعت اسلامی موضوعات پر اپنے عہدِ شباب ہی سے زبانی اظہار خیال کرتے رہے ہیں۔مضمون نگاری کی طرف ان کی خاص توجہ نہیں رہی۔۲۰۰۹ء میں ماہ نامہ زندگی نو کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد انہوں نے اپنے قلم کے ذریعہ اسلام کے تعلق سے جدید ذہن کے سوالات کا جواب دینے اور اسلام کا نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش کی۔زندگی میں ان کے شائع شدہ مضامین کے حسب ذیل نو(۹) مجموعے شائع ہو چکے ہیں:

۱۔جماعت اسلامی ہند کی پانچ بنیادی خصوصیات(۲۰۱۰)
۲۔عصر حاضر کے پُر فریب نعرے(۲۰۱۵)
۳۔امت مسلمہ۔مشن اور خودشناسی(۲۰۱۵)
۴۔اسلامی تحریک۔سفر اور سمت سفر(۲۰۱۵)
۵۔فرد، معاشرہ اور ریاست۔اقامتِ دین کے تناظر میں(۲۰۱۵)
۶۔امت مسلمہ کا نظام اجتماعی(۲۰۱۸)
۷۔علم و تحقیق کا اسلامی تناظر(۲۰۱۸)
۸۔دعوت اور جہاد۔عصر حاضر کے تناظر میں(۲۰۱۸)

۹۔مسلمان اور ہندوستانی ریاست (۲۰۱۹)

ڈاکٹر رفعت نے میری کتاب 'اسلام—انسانی حقوق کا پاسبان' کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور اس پر مبسوط مقدمہ لکھا۔ یہ ترجمہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی ۲۵ سے شائع ہو چکا ہے۔

تحریک اسلامی کا طریقۂ کار

ڈاکٹر رفعت نے 'اسلامی تحریک۔سفر اور سمت سفر' میں جماعت اسلامی کے طریقۂ کار کی وضاحت کے لیے جماعت کے دستور کا حوالہ دیا ہے، جس میں صراحت کی گئی ہے کہ '' جماعت اپنے تمام کاموں میں اخلاقی حدود کی پابند ہوگی اور کبھی ایسے ذرائع یا طریقے استعمال نہ کرے گی، جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں، یا جن سے منافرت، طبقاتی کش مکش اور فساد فی الارض رونما ہو۔ وہ تبلیغ و تلقین اور اشاعتِ افکار کے ذریعے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی اور اس طرح ملک کی اجتماعی زندگی میں مطلوبہ صالح انقلاب لانے کے لیے رائے عامہ کی تربیت کرے گی۔''

انہوں نے اس سلسلے میں مولانا مودودیؒ کے خیالات بہت تفصیل سے پیش کیے ہیں کہ اسلامی تحریک کو کھل کر اور علانیہ کام کرنا چاہیے۔اس کے لیے خفیہ طریقۂ کار یا زیر زمین (Under Ground) سرگرمی کسی حال میں درست نہیں ہے۔تحریک اسلامی کے کارکنوں کو اس سے بچنا چاہیے۔ انہیں عوامی تحریک چلانی چاہیے اور اس راہ میں جو بھی رکاوٹیں اور مشکلات پیش آئیں انہیں برداشت کرنا چاہیے۔اس کی وضاحت جماعت اسلامی ہند کے ذمہ داروں کی طرف سے مسلسل ہوتی رہی ہے۔اس خاکسار نے بھی اس پر اپنے مضامین میں اظہار خیال کیا ہے۔

رفعت کی خانگی زندگی

رفعت کی خانگی زندگی بہت خوش گوار اور پُرسکون رہی۔اس میں ان کی سادگی اور بے نفسی کے ساتھ بیوی بچوں کے تعاون کا بھی دخل رہا ہے۔ان کے درمیان غیر معمولی

ہم آہنگی تھی۔ بہت سے لوگوں کے لیے یہ بات شاید باعث تعجب ہوگی کہ وہ کبھی کبھی بچوں کے ساتھ لوڈو کھیلتے۔خوشی سے ہار جیت کا سامنا کرتے۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے شفقت ومحبت کام یاب خاندان کی اساس ہیں۔ یہ یہاں موجود تھی۔موجودہ حالات میں جہاں خانگی تنازعات بکثرت دیکھے جاتے ہیں، اسے ایک مثالی خاندان ہی کہا جاسکتا ہے۔

رات کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جماعت کے کیمپس میں دیر تک نصرت (اہلیہ) کے ساتھ ٹہلتے۔ کسی خاص مصروفیت ہی سے اس معمول میں فرق آتا۔ علالت کے زمانہ میں نصرت انہیں بعد عشاء چہل قدمی کے لیے لے جاتی۔ ابتدا میں اس کے لیے ان میں آمادگی نہ تھی، پھر خوشی خوشی ٹہلنے لگے۔

دسمبر ۲۰۱۱ء کی بات ہے کہ نصرت رکشا سے گر پڑیں اور پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ہم سب پریشان ہوئے۔ الشفا ہاسپٹل میں آپریشن ہوا اور راڈ ڈالا گیا۔اس دوران میں وہ بہت فکرمند رہے۔ بعد میں اس کی فیزیوتھراپی ہونے لگی۔اس کے لیے خود ہاسپٹل لے جاتے اور لاتے۔

کھانا ذوق کے مطابق نہ ہو تو گھر میں بحث وتکرار شروع ہوجاتی ہے۔رفعت اس معاملہ میں بے نیاز سے تھے۔ کسی خاص کھانے کی ان کی فرمائش ہوتی، نہ کھانے میں نقص نکالتے۔کھانا حسب ذوق ہو یا نہ ہو، کوئی رائے زنی نہ کرتے۔ بچوں کو بھی اس کی نصیحت کرتے۔بعض چیزیں رغبت اور شوق سے استعمال کرتے۔گھر کے لوگ کبھی کبھی اس کا اہتمام کرتے۔کھانے کا انتظار ان کے مزاج کے خلاف تھا۔اس میں وقت کی پابندی کا خیال رکھتے۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ کالج کا وقت ہو رہا ہے اور ناشتہ میں تاخیر ہے تو ناشتہ کے بغیر ہی کالج روانہ ہوگئے۔

ایک وقت ان کے ذہن میں Diet Control (تقلیل غذا) کا خیال بیٹھ گیا۔ان کی خوراک زیادہ نہ تھی، وہ اور کم ہوگئی۔اس کا سلسلہ برسوں جاری رہا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ ان کا ہیموگلوبین کم ہوتا چلا گیا۔ کم زوری بڑھنے لگی، لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کررہے تھے۔علالت کے زمانہ میں ڈاکٹروں نے اس کی تشخیص کی اور دوا

تجویز کی۔ اس کے ساتھ گھر پر غذا کا بھی اہتمام کیا گیا۔ بڑی حد تک اس کی تلافی ہوئی۔

رفعت کے علمی مزاج کی وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ انہیں سیر وتفریح سے کوئی دل چسپی نہ ہوگی ،لیکن وہ ایک باذوق اور خوش مزاج انسان تھے۔انہوں نے اس کے لیے بھی وقت نکالا۔تعطیلات میں اس کا پروگرام بناتے۔انہوں نے مختلف اوقات میں بچوں کے ساتھ نینی تال، ہلدوانی، دہرہ دون، مسوری، کشمیر، شملہ، وشاکھا پٹنم، جے پور جیسے تاریخی مقامات کی سیر وتفریح کے لیے وقت نکالا۔

بچوں کی تعلیم وتربیت

اللہ تعالیٰ نے رفعت کو تین لڑکے اور دو لڑکیاں عطا کیں۔سب نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔خود اس کی نگرانی کرتے۔ان کا انداز نرالا تھا۔وہ بچوں سے کہتے: خود تیاری کیجیے اور کوئی دقّت ہو تو بتائیے، پھر اپنے کام میں مصروف ہوجاتے۔ایک لطیفہ یاد آرہا ہے: ایک بچے نے ریاضی کا کوئی سوال کیا۔رفعت نے اس کا جواب دیا۔اس نے کہا: کتاب میں اس کا جواب دوسرا ہے۔رفعت نے کہا: کتاب کا جواب غلط ہے، اسے صحیح کرلو۔

بچوں کی دینی تعلیم کی طرف ماں باپ کی مستقل توجہ رہی۔ان میں دینی جذبہ پیدا کرنیا اور ان کی دینی معلومات میں اضافہ کی کوشش کی۔اس میں وہ بڑی حد تک کام یاب رہے۔خود بھی نماز باجماعت کے پابند رہے اور لڑکوں کو بھی پابند بنایا۔اولاد کی تربیت میں گھر کے ماحول کا بڑا دخل ہوتا ہے۔یہ ماحول انہیں حاصل تھا۔

کوئی انسان کم زوریوں اور خامیوں سے پاک نہیں ہوتا۔سہو ونسیان اس کی سرشت میں داخل ہے۔وہ انسان قابلِ ستائش ہے جس کی خامیوں پر اس کی خوبیاں غالب ہوں۔میرا خیال ہے، رفعت ان ہی میں سے تھے۔اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو درگزر فرمائے، ان کی نیکیوں کو شرف قبولیت عطا کرے اور اپنے مقرب بندوں میں انھیں شامل کرے۔

تعارف وتبصرہ

قرآنی معاشیات

پروفیسر عبدالعظیم اصلاحی

ناشر: ہدایت پبلیشر زاینڈ ڈسٹری بیوٹرس نئی دہلی۔ ۲۰۲۰، ۲۵، صفحات: ۲۶۸، قیمت: ۳۰۰ روپے

اللہ تعالی نے قرآن مجید کو انسانیت کی رہ نمائی اور بھلائی کے لیے نازل کیا ہے۔ عقائد اور عبادات کی طرح اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے لیے رہ نما اصول واحکام پائے جاتے ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر انسانیت اپنی معراج کو پہنچ سکتی ہے۔ انہی شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ معاشیات اور مالیات کا ہے، مگر بدقسمتی سے مسلمان اس سے پوری طرح غافل ہیں، جس کی وجہ سے ان کی معاشی حالت دگرگوں ہے۔ آج پوری دنیا معاشی بدحالی کا شکار ہے اور معیشت کی تباہی و بربادی کا رونا رو رہی ہے۔ ایسے حالات میں مسلم ماہرین معاشیات کا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو اس بحران سے نکالنے اور معاشی مسائل کا حل پیش کرنے کے لیے آگے آئیں۔ پروفیسر عبدالعظیم اصلاحی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے وقت کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے یہ کتاب مرتب کی۔ پروفیسر موصوف کا میدانِ اختصاص اسلامی معاشیات ہے۔ انھوں نے اسلامی معاشیات اور اسلامی بینکنگ کا تعارف ملک اور بیرون ملک وسیع پیمانے پر کرایا ہے۔ وہ عالمی سطح پر اسلامی معاشیات اور فائننس کے شعبے میں ہونے والے تجربات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

زیر نظر کتاب مصنف کے چند مقالات کا مجموعہ ہے، انھوں نے قرآنی اور اسلامی معاشیات، اس کے مختلف پہلوؤں اور مسلمانوں کی معاشی ترقی سے متعلق مختلف مواقع پر تحریر کیے ہیں۔ اس مجموعہ میں تیرہ (۱۳) مضامین شامل ہیں جو حسب ذیل ہیں: ۱۔ معاشی پیداوار اور قرآنی نقطہ نظر، ۲۔ قرآن کا نظام تقسیم دولت، ۳۔ قرآن مجید کی روشنی میں صارفین کا مطلوبہ رویہ، ۴۔ مصرف زکوۃ 'فی سبیل اللہ' کی تفسیر وتحدید۔ قرآن مبین ہیں، ۵۔ کیا آیت ربا قرآن کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے؟، ۶۔ قرآنی تصور ملکیت ، ۷۔ سماجی و معاشی برائیوں کا انسداد قرآن کی روشنی میں،

۸۔معاشی اصلاح کا قرآنی نقطۂ نظر۔قصۂ شعیب ایک نمونہ، ۹۔قرآنی معیشت کے بعض بنیادی پہلو: مولانا فراہیؒ کی نظر میں، ۱۰۔غیر مسلمین کے ساتھ معاشی ومعاشرتی تعلقات۔ قرآن مجید اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں، ۱۱۔عصر حاضر کے مسائل اور ان سے متعلق قرآن کی رہ نمائی، ۱۲۔قرآنی معاشیات پر ادبیات کا ایک مختصر جائزہ، ۱۳۔تفسیری لٹریچر میں معاشی افکار۔ایک عمومی جائزہ۔

مذکورہ عناوین پر ایک نظر ڈالنے سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ فاضل مصنف نے معاشی علوم ومعارف اور معاشی مسائل ومشکلات حل کرنے کے سلسلے میں جو خزانے کتاب اللہ میں موجود ہیں ان کو بحث وتحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ شروع کے تین مضامین میں بالترتیب معاشی پیداوار، دولت کی تقسیم اور مال ودولت کے صرف وخرچ سے متعلق امور زیر بحث آئے ہیں اور ان کے سلسلے میں قرآنی نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے۔اس کے بعد زکوۃ، سود، تصور ملکیت، معاشی فساد وبگاڑ اور معاشی اصلاح جیسے اہم موضوعات پر قرآن مجید کی رہ نمائی پیش کی گئی ہے۔اس مجموعہ کے دو مضامین بہت اہم ہیں۔اکثر یہ سوال پریشان کرتا ہے کہ کیا غیر مسلموں کے ساتھ لین دین جائز ہے؟ کیا خرید وفروخت میں ان کا تعاون کیا جاسکتا ہے یا ان کا تعاون لیا جاسکتا ہے؟ پروفیسر موصوف نے قرآن مجید اور اسوۂ نبویؐ کی روشنی میں اس سوال کا تسلی بخش جواب دیا ہے اور غیر مسلموں کے ساتھ معاشی تعلقات کے خدّ وخال واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔دوسرا مضمون 'عصر حاضر کے معاشی مسائل اور ان سے متعلق قرآن کی رہ نمایی' کے عنوان سے ہے۔اس میں معاشیات کے دو اہم اصولوں: پیداوار اور تقسیم دولت کے تحت سے بحث کی گئی ہے۔دو مضامین میں قرآنی معاشیات پر لکھی جانے والی کتابوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور مفسرین کے معاشی افکار سے بحث کی گئی ہے۔آخر میں ایک ضمیمہ شامل ہے، جس میں ادارۂ علوم القرآن کے زیر اہتمام 'معاشی مسائل اور قرآنی تعلیمات' کے موضوع پر ہونے والے سیمینار کے مجموعۂ مقالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

یہ کتاب چوں کہ مختلف اوقات میں لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے اس لیے اس میں مواد کی تکرار پائی جاتی ہے، جس کا احساس خود مصنف کو بھی ہے۔ تاہم انھوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ مضامین کی ترتیب میں مباحث کا تسلسل قائم رہے اور جدید معاشی نصاب پر آنچ نہ آئے، چنانچہ سب سے پہلے پیداوار، پھر تقسیم پیداوار، اس کے بعد صرف وخرچ کے مضامین رکھے گئے ہیں، تاکہ معاشیات کے طلبہ کو قرآنی تعلیمات سے استفادہ میں دشواری نہ ہو۔

کتاب دیدہ زیب اور طباعت عمدہ ہے۔ امید ہے کہ اسلامی معاشیات کے طلبہ اور اسلامی معاشیات کا ذوق رکھنے والے اہل علم کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا اور اس علم سے دل چسپی رکھنے والے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

(سیف اللہ اصلاحی)

قرآن اور اہلِ کتاب

حکایت۔عبرت۔نصیحت

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآنِ کریم میں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے حالات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات، ان کی بداعتقادیوں اور بد اعمالیوں کی تفصیلات اور ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں اور تنبیہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اہلِ کتاب کے اس مفصل تذکرہ کا مقصد کیا ہے؟ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت ونصیحت کے کون سے پہلو ہیں؟ اور اس سے انہیں کیا رہ نمائی ملتی ہے؟ اس کتاب میں ان موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری کا مبسوط مقدّمہ بھی ہے۔

صفحات: ۳۰۴ قیمت =/۱۶۰ روپے

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی (۷۹)

☆ یہ خبر ادارہ کے محبین کے لیے نہایت خوشی کی ہوگی کہ صدر ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری حفظہ اللہ کو انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز (I.O.S)، نئی دہلی کی ۶۹ ویں مجلس عاملہ کی میٹنگ میں متفقہ طور پر شاہ ولی اللہ ایوارڈ دیے جانے کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ ایوارڈ دعوت کے موضوع پر مولانا کی کتابوں 'معروف ومنکر' اور 'اسلام کی دعوت' اور دعوتی سرگرمیوں پر دیا جا رہا ہے۔

☆ ۱۲ر جنوری کو ادارۂ تحقیق کے تاسیسی رکن ڈاکٹر محمد رفعت (م ۸ر جنوری ۲۰۲۱ء) پر تعزیتی نشست منعقد ہوئی۔ اس میں ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی، ڈاکٹر امان اللہ خاں، پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی اور سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی کے علاوہ ان کے کئی دیرینہ احباب نے اظہار خیال کیا اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اس نشست کی صدارت پروفیسر محمد ادریس نے کی اور نظامت کے فرائض معاون سکریٹری جناب نسیم احمد خاں نے انجام دیے۔

☆ ۳۱ر جنوری کو ادارہ میں یک روزہ قومی سیمینار رو یبینار 'ڈاکٹر محمد رفعتؒ: حیات وافکار' کے عنوان پر منعقد ہوا۔ اس میں بیس سے زائد اہل علم نے ڈاکٹر محمد رفعت کے علم وفکر کی جہات ان کی تحریکی خدمات کا جائزہ لیا۔ افتتاحی اجلاس کی صدارت جناب سید سعادت اللہ حسینی، امیر جماعت اسلامی ہند نے کی۔ یہ مقالات کتابی صورت میں شائع ہو گئے ہیں۔

☆ ۴ر مارچ کو مرکز جماعت اسلامی ہند نئی دہلی میں مذکورہ بالا سمینار میں پیش کردہ مقالات کے مجموعہ بعنوان 'ڈاکٹر محمد رفعت — ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا' کی رسم اجراء کا پروگرام جناب سید سعادت اللہ حسینی، امیر جماعت اسلامی ہند کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس میں مولانا سید جلال الدین عمری صدر ادارہ، مولانا شہد جمال ندوی سکریٹری ادارہ، جناب سلمان احمد صدر ایس آئی او آف انڈیا، ڈاکٹر حسن رضا اور دیگر ذمہ داران جماعت نے اظہارِ خیال کیا۔ یہ مجموعہ ہدایت پبلشرز نئی دہلی کے اشتراک سے شائع ہوا ہے۔ صفحات: ۲۴۶، قیمت: ۳۰۰ روپے۔

☆ ڈاکٹر منور حسین فلاحی مرحوم، سابق رکن ادارہ و معاون مدیر تحقیقاتِ اسلامی کی حیات وخدمات پر مشتمل ماہ نامہ حیاتِ نو نے خصوصی شمارہ شائع کیا ہے۔ اس کے تعارف کے لیے پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نائب صدر ادارہ کی صدارت میں مجلس مذاکرہ کا انعقاد ہوا۔ استقبالیہ

کلمات ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی (مدیر مجلہ) نے پیش کیے۔ پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی کے ذریعہ مجلّے کا اجرا عمل میں آیا۔

☆ یکم و ۲ رمارچ کو خلیق نظامی مرکز علوم لا قرآن میں دوروزہ سیمینار بہ عنوان How To Understand The Quran? منعقد ہوا۔ اس میں مولانا اشہد جمال ندوی نے 'قرآن فہمی — ایک عملی منصوبہ' مولانا محمد جرجیس کریمی، رکن ادارہ نے 'قرآن مجید کی تفہیم میں عقل کی اہمیت اور کردار' اور مولانا محمد انس مدنی، رکن ادارہ نے 'فہم قرآن کے لیے معاون کتاب' قرآنی سورتوں کا نظم جلی' پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ مولانا محمد جرجیس کریمی نے ایک اجلاس کی صدارت بھی فرمائی۔

☆ ۲۱ رجنوری کو ادارہ میں ریسرچ اسکالرس سیمینار منعقد ہوا، جس کا مرکزی موضوع تھا: 'تحریکی لٹریچر میں مولانا صدر الدین اصلاحیؒ کی تصانیف کی اہمیت'۔ اس میں ادارہ کے ارکان اور اسکالرس کے علاوہ ادارۂ علوم القرآن کے رفقاء نے بھی شرکت کی اور مقالات پیش کیے۔ کُل بارہ (۱۲) مقالات پیش ہوئے۔ اس سیمینار کی صدارت ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی نے اور نظامت مولانا کمال اختر قاسمی نے کی۔

☆ تحقیقاتِ اسلامی کے معاون مدیر ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کی نئی کتاب 'حکمت کے خزانے' ہدایت پبلشرز نئی سے شائع ہوگئی ہے۔ اس میں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات وغیرہ سے متعلق احادیث کی دل نشیں تشریح کی گئی ہے۔ صفحات: ۲۴۰، قیمت: ۲۰۰ روپے۔

☆ ڈاکٹر ندوی کا ایک کتابچہ 'قرآن مجید کی بعض آیات پر اعتراضات کی حقیقت' کے نام سے ادارہ سے شائع ہوا۔ اس میں ان اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے جو قرآن کی آیاتِ جہاد پر کیے جاتے ہیں۔ صفحات: ۲۴۔ قیمت: ۲۵ روپے۔

☆ ۴ رفروری کو سابق رکن ادارہ جناب مجتبیٰ فاروق (ریسرچ اسکالر، مولانا آزاد اردو نیشنل یونی ورسٹی) کی آمد کے موقع پر اسکالرس کے ساتھ ایک نشست رکھی گئی۔ موصوف نے علمی سرگرمیوں کو بڑھانے پر زور دیا۔ اس حوالے سے سہ ماہی وال میگزین اور رائٹرس فورم کے احیاء کی تجاویز منظور ہوئیں اور ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آیا۔

☆ ۱۰ رمارچ کو ادارہ میں ڈاکٹر محی الدین غازی مدیر ماہ نامہ زندگی نو، نئی دہلی تشریف لائے۔ اس موقع پر ان کی نگرانی میں ادارہ کے رفقاء واسکالرس کے ساتھ 'عوام میں قرآن فہمی کیسے پیدا کی جائے؟' کے عنوان سے مذاکرہ ہوا۔ تمام حاضرین نے مذاکرہ میں شوق سے حصہ لیا اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

☆۱۶؍مارچ کو ایس آئی او آف انڈیا کے کل ہندصدر جناب سلمان احمد ادارہ تشریف لائے۔سکریٹری ادارہ نے ان کا استقبال کیا اور ادارہ کی مختلف سرگرمیوں سے باخبر کرایا۔اس موقع پر ایک تعارفی نشست رکھی کی گئی۔صدر تنظیم نے ادارہ کی لائبریری کے لیے تنظیم کے شعبۂ نشر واشاعت 'وہائٹ ڈاٹ پبلشرز' کی تمام مطبوعات ہدیۃً پیش کیں۔

☆۱۸؍مارچ کو جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ کے اساتذہ مولانا اظہار احمد فلاحی مدنی اور مولانا امیر فیصل فلاحی کی آمد کے موقع پر ادارہ کے ارکان و اسکالرس کے ساتھ تعارف و ملاقات کی نشست منعقد کی گئی۔مولانا اظہار احمد فلاحی مدنی نے نوجوان اسکالرس کے سوالات کے تشفی بخش جواب دیے اور قیمتی نصیحتیں کیں۔

☆۲۱؍مارچ کو ادارہ میں پروفیسر محسن عثمانی تشریف لائے۔سکریٹری ادارہ نے مہمان محترم کا استقبال کیا اور ادارہ کی سرگرمیوں کا تعارف کرایا۔اس موقع پر موصوف نے ادارہ کے یوٹیوب چینل ITTI ALIGRAH کے لیے ایک تقریر بعنوان 'دعوتِ دین: مصائب اور مسائل کا حل' ریکارڈ کرائی، جو بہت مقبول ہوئی۔

☆۲۲؍مارچ کو ادارہ میں نام ور عالم دین مولانا عبدالمبین نعمانی قادری تشریف لائے۔سکریٹری ادارہ نے ان کا استقبال کیا۔ادارہ کی لائبریری اور کیمپس کی زیارت کرائی۔ موصوف کے ساتھ اسکالرس کی نشست رکھی گئی، جس میں انھوں نے بحث وتحقیق میں جدت وندرت اور گہرائی وگیرائی پر زور دیا۔

☆الحمدللہ ادارہ کی لائبریری کو مختلف مکتبات اور اداروں سے ہدیہ ملنے کا سلسلہ جاری ہے۔دارالمصنفین اعظم گڑھ، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، وہائٹ ڈاٹ پبلشرز، نئی دہلی اور ہدایت پبلشرز نئی دہلی کی طرف سے ادارہ کو قیمتی مطبوعات موصول ہوئی ہیں۔ادارہ ان سب کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہے۔

☆۳؍جنوری ۲۰۲۱ء کو ادارہ کے تصنیفی تربیت کورس کے تحت نئے اسکالرس کے انتخاب کے لیے انٹرویو رکھا گیا، جس میں چھ طلبہ نے شرکت کی۔ان میں سے چار (۴) طلبہ (محمد صادر ندوی، انوار سلیم ندوی، عبیداللہ فلاحی اور محمد سلطان قاسمی) کا انتخاب عمل میں آیا۔

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 40 No.2

April - June 2021

Editor

Syed Jalaluddin Omari

Asstt. Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Nabi Nagar (Jamalpur), P.O. Box: 93

ALIGARH - 202 002 (INDIA)

www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **The Demands of Dawah in the Present Age** 5

Syed Jalaluddin Umari

2. **Tafsir Studies of Modern Orientalists** 9

Prof. Abdur Raheem Kidwai

3. **Academic Plagiarism of the West in Islamic Studies**

[In the Light of the Research of Dr. Fuat Sezgin] 25

Dr. Mohd. Osama

4. **DerogatoryPortrayal of the Prophet**

in the English Literature 37

Mr. Zaryab Ahmad Falahi

5. **A Comparative Study of Tafhum al-Qur'an and**

Fi Zilal al-Qur'an 69

Dr. Uzma Khatoon

6. **Maulana Abul Kalam Azad's Concept of Hadith** 91

Mr. Mehtab Hussain Shah

6. **Dr. Mohammad Rafat - Remembering a Beloved**

who was loved by All 105

Syed Jalaluddin Umari

7. **Book Review** 115

Activities of Idara-e-Tahqee-o-Tasneef-e-Islami 118

Abstract of the Articles

The Demands of Dawah in the Present Age

Syed Jalaluddin Umari

President Idara -e-Tahqeeq-o- Tasneef-e- Islami

The Institute of Objective Studies (IOS) New Delhi conferred its 14th Shah Waliullah Award on Maulana Syed Jalaluddin Umari. The conferment ceremony was held online on 20th June 2021. Maulana Syed Muhammad Rabey Hasani Nadwi, President, All India Muslim Personal Law Board (AIMPLB); Maulana Khalid Saifullah Rahmani, Spokesperson and Secretary AIMPLB; Syed Sadatullah Husaini, Ameer, Jamaat-e-Islami Hind; Prof. Akhtarul Wasey, President, Maulana Azad Institute, Jodhpur; and Prof. Md. Ishtiyaq, Former Vice Chancellor, Magadh University, Bodh Gaya, Bihar addressed the ceremony. These dignitaries eulogised the Islamic and academic services rendered by Maulana Umari and bestowed poignant accolades upon him. The discourse Maulana Umari presented on this occasion has been presented in the form of an article here.

The Maulana said Dawah is of much importance in the present age. This is a Deeni obligation. All Prophets talked in the language of their peoples so that the meaning and objective of their message might be loud and clear. But our limitation is that we are not aware of the language of our people.'The language of people' has a wide spectrum of meaning. It means the language of the addressees, their culture and civilization, beliefs and thoughts, historical perspective- an all-inclusive knowledge of the addressees is required.

Another big problem is that a large number of people here take Muslims as their rival. In this situation, they will hardly pay attention to your discourse. We will have to tell them that we are not their rival, and that we have a message and we are just presenting it to them. They have a right to accept or reject it. The Qur'an teaches us that we have just to present the message. We have to keep on doing this task whether one accepts it or not.

Tafsir Studies of Modern Orientalists

Prof. Abdur Raheem Kidwai
Professor of English and Director,
UGC Human Resource Development Centre,
Aligarh Muslim University, Aligarh
Sulaim_05@yahoo.co.in

This article critically examines the main contours of the Orientalists' writings on Tafsir, with a pointed reference to the four volumes work Tafsir Interpreting the Qur'an edited by Mustafa Shah. This work comprises 81 articles on Tafsir scholars, both classical and recent. Most of the articles reflect the influence of these tendentious Orientalists:Goldziher, Noldeke and Wansbrough. These writing seek to discredit the Muslim tafsir corpus and represent the whimsical notions of the Revisionist School and neo-Orientalism.

Muslim scholars should take note of their approach and methodology related to the tafsir tradition.

Academic Plagiarism of the West in Islamic Studies

[In the Light of the Research of Dr. Fuat Sezgin]

Dr. Mohd. Usama
Guest Faculty, Dept. of Islamic Studies,
Jamia Millia Islamia, New Delhi
usama9911@gmail.com

Honesty has not been maintained in the books written on science studies in Europe. Therefore, the viewpoint of the

European historians who have written on this subject is that first Greece and then Europe was dominant in the field of science studies. Thus, they have rejected outright the services rendered in this field by Muslims, especially Arabs. And even if they have accepted it, it is on a surface level. Famous Turkish historian Dr. Fuat Sezgin (d. 2018), in his research on history studies, has introduced the scientific and academic treasures of Muslims. He has proved with solid arguments that it is the Muslims who laid the foundation of present science and technology, which rests on their researches and innovations. He has criticised the westerners' viewpoint that Muslims have not made any contribution to science studies but rather they have copied from the Greek.

Dr. Sezgin's book on this subject, *Muhadhirat fi Tarikh al-Uloom al-Arabia wal-Islamia* is very famous. It comprises his lectures delivered in Imam Muhammad bin Saud Islamic University, Riyadh, and it was this university which published it in book form. Later on, its second edition was published after adding some of his more lectures. This book talks of the services rendered by Muslims in the fields of Medicine, Chemistry, Mathematics, Astronomy and Meteorology. Besides, it also discusses the impact of Arabic and Islamic Studies on Renaissance movement in Europe as well as causes of stagnation in Islamic civilization.

This article presents an introduction of the said book of Dr. Sezgin.

Derogatory Portrayal of the Prophet ﷺ in the English Literature

Mr. Zaryab Ahmad Falahi
Azamgarh, U.P
zaryabahmadteacher@gmail.com

Hostility towards Islam and its final prophet Muhammad ﷺ, in the western world, is a recurring

phenomenon. Abdur Raheem Kidwai, Professor of English and Director of the UGC Human Resource Development Centre at Aligarh Muslim University, however, seeks to promote a better understanding between the Muslim world and the West against the backdrop of the Danish cartoons and the deplorable tragedy of 9/11.

His brilliant book, "Images of the Prophet Muhammad in English Literature", recounts and analyses the various images of Prophet Muhammad, as reflected in English literary texts from the seventh to the nineteenth centuries. He asserts, "Over the centuries the West had hereticalised, paganised and demonised the Prophet. He had been subject to name calling from being the antichrist to arch-heretic, false god, fallen or renegade Christian, sexual deviant, lascivious, polygamist, magician, necromancer, in short an impostor. The Christian polemical tradition and Crusade war propaganda, and at a later date, the military threat of Ottoman Turkey contributed, in their own ways, to the fabrication of the Prophet's false image."

This paper is an analytical study of the above marvellous book with a view to familiarising the Urdu speaking world with the Prophet Muhammad's false, rather tainted and repulsive images fabricated in the West over a long period of time.

Maulana Abul Kalam Azad's Concept of Hadith

Mr.Mehtab Hussain Shah
PhD scholar, The Islamia University Bahawalpur (Pakistan)
mehtabshah82@gmail.com

Maulana Abul Kalam Azad (1888-1958) was one of the most influential independence activists during India's freedom struggle. He was also a noted writer, poet, journalist and Mufassir. His greatest work is *Tarjuman-ul-Qur'an*, in

which he sought to provide an easily intelligible Urdu translation of the Qur'an, with a commentary. Abul Kalam Azad wrote many books, articles and delivered lectures, which all contain his research on different religious topics. His style was unique and different from traditional scholars in understanding the Qur'an and Hadith. This review article deals with his concept of Hadith.

Although he belonged to *maslak Ahl-e-Hadith,* but his concept is different. Some people accused Maulana Azad of denying the hadith, though it is not so that his articles and writings were in harmony with the Qur'an as well as hadiths.

Here is a summary of the concept of Hadith of Maulana Abul Kalam Azad: (1) The Qur'an is sufficient for the beliefs and the faith, which is not in the Qur'an, cannot be based on the beliefs. (2) The source of religion is both the Qur'an and the Sunnah. Practical model for worship and nourishment will be taken from the Sunnah. (3) The first source of Sunnah is the Qur'an, then the hadiths are the source of Sunnah which are narrations and narrations are not equal to the Qur'an. May not be the words or deeds of the Prophet.
(4) Traditionally, the Hadith has to be examined to make sure that it has no validity in its text, even though traditionally it has been recognised as authentic.(5) The most authentic books of the hadith are Sahihain, i.e.Bukhari and Muslim. But this is not above criticism.

Dr. Mohammad Rafat
Remembering a Beloved who was Loved by All

Syed Jalaluddin Umari
President Idara -e-Tahqeeq-o- Tasneef-e- Islami

Dr. Mohammad Rafat, Professor (Retd.) Department of Applied Sciences, Faculty of Engineering and Technology, Jamia Millia Islamia, New Delhi, was the Treasurer of Idara Tahqeeq-o-Tasneef Islami. On his demise (d. 8 January 2021)

Maulana Syed Jalaluddin Umari, in this article, has expressed his reminiscences.

He has said that Dr. Mohammad Rafat in spite of being a student of science had deep comprehension of Islamic studies. His study was very comprehensive. He had extraordinary hold on the English language. He was fluent in expressing his views and ideas in speeches as well as in writings. He had imbibed the thought of Maulana Syed Abul A'la Maududi. He was the best advocate and representative of the thought of Jamaat-e-Islami. He had studied the western thought, deeply and critically. He was well acquainted with its merits as well as demerits and had the courage to express them, straightforward. He was among the intellectuals who can dispel the intricacies and complexities of thought process of the modern educated section and prove to the hilt the truthfulness of Islam, argumentatively. He was Editor of Zidagi-e-Nau monthly for about ten years (2009 to 2019). His editorials published therein have been published in book form, which bears testimony to his upright Islamic thoughts.

BOOK REVIEW

Qur'ani Maashiyat(Qur'anic Economics),Pro. Abdul- Azeem Islahi, Hidayat Publisher and Distributers, New Delhi-25, Pages:268, Price:IRs. 300/.

Reviewed by Maulana Saifullah Islahi

اتحادِ امت اور ملّت اسلامیہ کے مسائل پر

ہماری اہم مطبوعات

ہندوستان کے موجودہ حالات: مسائل اور حل	مولانا سید جلال الدین عمری	20.00
اسلام اور مشکلات حیات	مولانا سید جلال الدین عمری	45.00
یہ ملک کدھر جارہا ہے؟	مولانا سید جلال الدین عمری	35.00
ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	مولانا سید جلال الدین عمری	32.00
مسلم امت: منزل اور راستہ	سید سعادت اللہ حسینی	135.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
گلوبلائزیشن اور اس کے معاشی و ثقافتی اثرات	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدیؒ	10.00
دورِ حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدیؒ	60.00
اسلام عالمی امن کا نقیب	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدیؒ	54.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	125.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام اور اجتماعیت	مولانا صدر الدین اصلاحیؒ	56.00
اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ	شاہ ولی اللہ دہلویؒ	60.00
اختلافی مسائل میں مولانا مودودیؒ کا موقف	محمود عالم	47.00
امت مسلمہ مشن اور خود شناسی	ڈاکٹر محمد رفعت	85.00
مسلمان اور ہندستانی ریاست	ڈاکٹر محمد رفعت	25.00
تفہیمات اول تا چہارم	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	680.00
اسلام اور مغرب کی کشمکش	سید قطب شہیدؒ	160.00
ماحولیاتی بحران: اسباب و علاج	پروفیسر سید مسعود احمد	35.00
قومی یکجہتی اور اسلام	پروفیسر محمد عبدالحق انصاریؒ	10.00
تشدد اسباب و محرکات	مجموعۂ مضامین	38.00
امن کس طرح قائم ہوسکتا ہے	مولانا حبیب اللہ رسید حامد حسین	15.00
حقیقت فتنہ و فساد	مولانا سید احمد عروج قادریؒ	24.00
اکیسویں صدی میں اسلام، مسلمان اور تحریک اسلامی	ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی	55.00

اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں دینی، اصلاحی، تحریکی اور نصابی کتابوں کا اہم مرکز

MMI PUBLISHERS مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave Jamia Nagar,
New Delhi-110025 Mob: 7290092401 7290092403
Email: info@mmipublishers.net mmipublishers@gmail.com Web: www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81
April-June 2021

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-9412671962
+91-9897746586

مولانا سید جلال الدین عمری کی تالیفات

شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیاتِ قرآن	/۳۲۵
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	/۹۰
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	/۲۵
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	/۵۰
۵	صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات	/۲۵۰
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	/۱۴۰
۷	معروف ومنکر	/۱۸۵
۸	اسلام کی دعوت	/۲۲۵
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	/۱۸۵
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	/۱۰۰
۱۱	تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں	/۶۵
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	/۲۶۰
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ (مجلد)	/۱۳۰
۱۴	عورت اور اسلام • مجلد /۱۱۰ • عام	/۶۰
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	/۱۰۵
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	/۴۲
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	/۲۴
۱۸	اسلام-ایک دین دعوت	/۲۵
۱۹	دعوت وتربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	/۵۵
۲۰	راہیں کھلتی ہیں • مجلد /۱۴۰ • عام	/۹۵
۲۱	سبیل رب۔دعوت الی اللہ کا راستہ	/۴۵

شمار	نام کتاب	قیمت
۲۲	اوراقِ سیرت	/۲۵۰
۲۳	خطبات پاکستان	/۱۰۰
۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	/۵۲
۲۵	انسان اور اس کے مسائل	/۴۰
۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	/۴۵
۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	/۱۴
۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	/۱۶
۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	/۱۱۰
۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	/۴۵
۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	/۱۶
۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	/۱۶
۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	/۴۳
۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	/۱۸
۳۵	ملک وملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	/۳۲
۳۶	یہ ملک کدھر جارہا ہے؟	/۳۵
۳۷	بچے اور اسلام	/۱۴
۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	/۲۰
۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	/۲۵
۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	/۱۸
۴۱	سوئے حرم چلا	/۳۲
۴۲	دینی علوم کی تدریس	/۱۴

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵